نہرو رپورٹ نے مسلمانوں کو کچھ دینے کی بجائے ان کے حقوق بھی چھین لئے

مسلم مطالبات کے حق بجانب ہونے کے زبردست دلائل

محفوظ حقوق کے خلاف نہرو رپورٹ کے دلائل کا رد

بنگال اور پنجاب کے ڈسٹرکٹ بورڈوں کے انتخاب کے متعلق مغالطہ کا ازالہ

ان اہم اور ضروری مباحث کے متعلق اگر آپ تفصیلی واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ کا مضمون مطالعہ فرمائیں۔ جو اس پرچہ میں درج ہے

مدینۃ المسیح

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی طبیعت ناساز ہے۔ احباب حضور کی صحت کے لئے درد دل سے دعا کریں۔

مدرسہ احمدیہ کے سکوٹس اپنے ساز و سامان کے ساتھ سکوٹ ماسٹر صاحب کی زیر نگرانی دریا پر گئے۔

ریلوے لائن کے نہر کے پل کا نچلا حصہ تیار ہو گیا ہے۔ چند دن تک امید ہے۔ سارا مکمل ہو جائے گا۔ اور لائن اس کے آگے تیار ہونا شروع ہو جائے گی۔

خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب نے "ایک دردمند دل کی آواز" کے نام سے ایک اور ٹریکٹ شائع کیا ہے۔ جس میں اپنے رنگ میں انہوں نے جماعت احمدیہ اور غیر مبایعین کو دعوت صلح دی ہے۔

اگر اسی قسم کا حق کونسلوں میں بھی ملتا ہے۔ تو مسلمانوں کو کیا خوشی ہو سکتی ہے۔

پنجاب کے ڈسٹرکٹ بورڈوں کا انتخاب

اب میں پنجاب کو لیتا ہوں۔ اور اقرار کرتا ہوں۔ کہ بادی النظر میں پنجاب کا معاملہ بہت مضبوط ہے۔ چوہدری افضل حق صاحب نے جو اعداد و شمار پنجاب کے ڈسٹرکٹ بورڈوں کے متعلق شائع کئے ہیں۔ وہ بہت سے لوگوں کو حیران کر دیتے ہیں۔ اور وہ بادی النظر میں ایکدم یقین کر لیتے ہیں۔ کہ اعداد و شمار اس امر کی تائید میں ہیں۔ کہ مسلمان کافی طاقت رکھتے ہیں۔ کہ باوجود مالی اور علمی کمزوری کے پنجاب میں اپنے حق کی حفاظت کر سکیں۔ بلکہ اس سے زیادہ لے سکیں۔ ان اعداد سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسلمانوں کو تناسب آبادی کے لحاظ سے چار سو تینتالیس اور حق رائے دہندگی کے لحاظ سے تین سو باسٹھ نشستیں ملنی چاہئیں تھیں۔ مگر ملیں چار سو آٹھ۔ گویا حق رائے دہندگی کے لحاظ سے مسلمانوں نے اپنے مقابل والوں سے چھیالیس نشستیں چھین لیں۔ سکھوں کو آبادی کے لحاظ سے پونے ستاسی نشستوں کا حق تھا۔ اور رائے دہندگی کے لحاظ سے ایک سو پونے پچاسی کا۔ لیکن انہوں نے حاصل ایک سو پچاسی کیں۔ گویا اپنے حق سے نہایت ہی خفیف زیادتی حاصل کی۔ ہندوؤں کا اس کے مقابلہ میں آبادی کے لحاظ سے دو سو پچھتر ممبریوں کا حق تھا۔ رائے دہندگی کے لحاظ سے دو سو اڑسٹھ کا اور حاصل انہوں نے دو سو اکتیس کیں۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے۔ کہ مسلمان اپنے حق سے زیادہ حاصل کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

اخذ کردہ نتائج سے اختلاف

باوجود ان کھلے کھلے اعداد کے مجھے ان نتائج سے اختلاف ہے۔ جو نکالے گئے ہیں۔ اور سب سے پہلے تو میرا یہ سوال ہے۔ کہ کیا دنیا کی کسی معقول ہستی نے بھی ایک وقت کے نتیجہ پر حقائق کا اندازہ لگایا ہے۔ نتائج نکالنے کے لئے تو یہ ضروری ہے۔ کہ کم سے کم دس انتخابوں کے اعداد ہوں۔ اور پھر ان کو ملا کر دیکھا جائے کہ اوسطاً کوئی قوم کس قدر نمائندگی حاصل کر سکی ہے اگر یہ فرق اعداد کا صرف قریب کے انتخابوں کا ہے۔ بنگال میں بھی اور پنجاب میں بھی۔ تو یقیناً اس سے ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوں گے۔ کہ یہ نتائج مسلمانوں کی ہوشیاری کے سبب سے نہیں ہیں۔ بلکہ اس فرقہ وارانہ جذبہ کی شدت کے ہیں۔ جو پچھلے چار پانچ سال میں اپنی انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ ملتان کے فسادات کلکتہ کے فسادات۔ بارسیال کے فسادات۔ لاہور کے فسادات اور موپلوں پر مظالم ایسے نہ تھے۔ کہ انہیں دیکھ اور سن کر ایک غافل سے غافل مسلمان کی آنکھوں میں بھی خون نہ اتر آتا۔ پس اس جذبات کے عارضی ابھار کو ایک مستقل معیار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیا غیر محفوظ نشستوں کے حامی ہمیں یہ یقین دلا سکتے ہیں۔ کہ وہ آئندہ بھی دونوں اقوام کے جذبات کو اسی طرح ابھارتے رہیں گے۔ اور دونوں قوموں میں نہ ختم ہونے والی

جنگ جاری رکھیں گے۔ اگر نہیں اور ملک کی خیر خواہی چاہتی ہے۔ کہ وہ ایسا نہ کریں۔ تو پھر میں پوچھتا ہوں۔ کہ جو نتیجہ دونوں قوموں کے ابھرے ہوئے جذبات کا تھا۔ اس سے ایک مستقل اندازہ کس طرح لگایا جا سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب کسی قوم کو کوئی ناقابل تلافی صدمہ پہنچتا ہے۔ تو اس وقت وہ تمام دوسرے اثرات کو بھلا دیتی ہے۔ اور ہر قسم کے دباؤ سے آزاد ہو کر کام کرتی ہے۔ اور اس وقت اس کے اعداد اس کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ چونکہ پچھلے چند سالوں میں مسلمانوں پر سخت ظلم ہوا ہے۔ بوجہ مظلوم ہونے کے ان کے جذبات دوسری اقوام سے زیادہ مشتعل تھے۔ اور اس وقت کی ان کی جدوجہد پر ہمیشہ کا قیاس کرنا بالکل خلاف عقل ہوگا اور ان اعداد و شمار کی قدر و منزلت اسی وقت ثابت ہو گی جبکہ کم سے کم دس انتخابوں کے اعداد و شمار سے وہی نتیجہ نکلتا ہو۔ جو پچھلے انتخابوں کے اعداد و شمار سے نکلتا ہے۔ کیونکہ مقابلۂ اعداد کے صحیح نتائج واقفین فن کے نزدیک اسی وقت نکالے جاتے ہیں۔ جس وقت کہ اول وہ خاص حالات کے اثر سے آزاد ہوں۔ دوم ایک لمبے عرصہ کے اعداد کا مقابلہ کر کے دیکھا جائے۔ سوم۔ ان اعداد و شمار سے یہ نہ ثابت ہوتا ہو۔ کہ کوئی مخالف رو اندر ہی اندر ترقی کر رہی ہے۔ یا اس کے آئندہ ترقی کرنے کا احتمال ہے۔ یعنی یہ ثابت ہو جائے۔ کہ جو نتیجہ ہم نکال رہے ہیں۔ اس کے خلاف ہر سال کے اعداد میں کوئی تدریجی طور پر بڑھنے والا فیکٹر موجود نہیں ہے۔ مگر ہمارے قابل قدر نوجوان نے اور نہرو کمیٹی نے جو اعداد پیش کئے ہیں۔ ان میں اوپر کی تینوں باتوں میں سے ایک کا بھی خیال نہیں رکھا گیا۔ نہ یہ ثابت کیا گیا ہے۔ کہ ان انتخابوں کے وقت کوئی خاص حالات پیدا نہ تھے۔ (میں ثابت کر چکا ہوں۔ کہ خاص حالات تھے) اور نہ کئی انتخابوں کے اعداد پیش کئے گئے ہیں۔ اور نہ یہ ثابت کیا گیا ہے۔ کہ پچھلے انتخابوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ مسلمانوں کی اس برتری کو مٹانے والے کوئی اسباب رونما ہو رہے ہیں۔ اس وجہ سے ان اعداد سے نتیجہ نکالنا بالکل خلاف عقل اور خلاف تجربہ ہے۔ اعداد و شمار کی قدر و قیمت تو صرف اوسط کے کلیہ پر منحصر ہے۔ اس کے سوا اعداد و شمار کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ ایک مثال پر تو انحصار سخت خطرناک ہوتا ہے۔ کمزور سے کمزور فوج بھی کبھی زبردست سے زبردست غنیم کو ایک میدان میں شکست دیدیتی ہے۔ مگر اس فعل کی تکرار نہیں ہوتی۔

ہندوؤں کا ڈسٹرکٹ بورڈوں کے انتخاب میں دلچسپی نہ لینا

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے۔ کہ اگر اعداد و شمار سے یہ امر ثابت بھی ہو جائے کہ ڈسٹرکٹ بورڈوں میں مسلمان پچھلے انتخابات میں متواتر جیتتے چلے آئے ہیں۔ تب بھی اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ کونسلوں کے ایلکشن میں بھی مسلمان ضرور ہندوؤں پر غالب رہیں گے۔ درست نہیں۔ کیونکہ ڈسٹرکٹ بورڈوں اور کونسلوں میں کوئی مشارکت ہی نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ڈسٹرکٹ بورڈوں میں ہندو کوئی حقیقی

عزت اور حکومت نہیں ہے۔ اور نہ ان کا اثر تجارتی امور پر پڑتا ہے۔ اس وجہ سے ہندو دماغ یعنی بنیا ان میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لیتا۔ وہ اسی وقت دخل دیتا ہے۔ کہ جب اس کا اپنا انٹرسٹ ہو۔ مگر ڈسٹرکٹ بورڈ میں اس کا کیا انٹرسٹ ہے؟ وہ اگر ان کے انتخاب میں حصہ لیتا ہے۔ تو صرف بعض دوستوں کی خاطر۔ ہاں میونسپل کمیٹیوں میں وہ دخل دیتا ہے۔ اور کونسلوں میں دخل دیتا ہے۔ کیونکہ میونسپل کمیٹیوں کا تجارت سے تعلق ہے۔ اور اسی طرح کونسلوں کا اور پھر اس کے ساتھ ان میں حکومت بھی ہے۔ اور ہندوؤں کا دیرینہ آئیڈیل ان کے ذریعہ سے پورا ہوتا نظر آتا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ پھر ہندو تہذیب کو دنیا میں قائم کریں گے۔ پس ڈسٹرکٹ بورڈوں پر قیاس کرنا بالکل درست نہیں۔ انگلستان کے پارلیمنٹ کے انتخاب اور لوکل بورڈز کے انتخاب کے نتائج کو سامنے رکھکر دیکھ لو کہ ملک پارلیمنٹ میں اور پارٹی کو بھیجتا ہے۔ اور لوکل بورڈز اور میونسپل کمیٹیوں میں۔ بعض دفعہ بالکل مخالف پارٹی کو بھیجتا ہے۔ اس لئے واقفان سیاست جانتے ہیں۔ کہ ایک کے نتائج پر دوسری کا قیاس نہیں کرنا چاہئے۔ پس میں نہیں سمجھ سکتا۔ کہ نہرو کمیٹی یا ہمارے پنجاب کے ممبر کونسل نے کس طرح دونوں کو ایک سے قرار دیکر بورڈوں کے انتخاب سے کونسلوں کے متعلق نتیجہ نکال لیا ہے۔

ڈسٹرکٹ بورڈوں سے ہندوؤں کی بے اعتنائی

میرے نزدیک سیاسی اصول کے مطابق اور عقلی دلائل کی رہبری سے غور کرنے کے علاوہ اگر ہم خود ان اعداد پر غور کریں تو بھی ہمیں یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو جاتی ہے۔ کہ انتخاب کا جو نتیجہ پیدا ہوا ہے۔ وہ مسلمانوں کی ہوشیاری کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ ہندوؤں کی بے اعتنائی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ دیکھو کہ مسلمانوں نے جس قدر نشستیں زائد لی ہیں۔ وہ ہندوؤں سے لی ہیں نہ کہ سکھوں سے۔ اگر مسلمانوں کی ہوشیاری کے سبب سے یہ نتیجہ نکلتا تو وہ سکھوں سے بھی زائد نشستیں حاصل کرتے۔ مگر اعداد کے مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سب نشستیں ہندوؤں ہی نے کھوئی ہیں۔ ان کی نشستوں کی کمی پونے سینتالیس ہے اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی زیادتی چھیالیس ہے۔ اور سکھوں کی زیادتی ۱/۲ نشست کی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ مسلمانوں نے بھی ہندوؤں کا حق چھینا ہے اور سکھوں نے بھی ہندوؤں کا۔ حالانکہ اگر اقلیت پر اکثریت کے غلبہ کا سوال ہوتا۔ تو سکھ زیادہ نقصان میں رہتے۔ کیونکہ ان کی اقلیت بہت کم ہے۔ اور ہندوؤں سے قریباً آدھی ہے۔ پس ان اعداد سے یہ نتیجہ کسی صورت میں بھی نہیں نکالا جا سکتا کہ مسلمانوں نے اپنی طاقت سے یہ غلبہ حاصل کیا ہے۔ بلکہ یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ ہندوؤں کو ڈسٹرکٹ بورڈوں کے انتظام کے ساتھ کوئی خاص انٹرسٹ نہیں ہے۔ اور جب یہ امر بالبداہت ثابت ہوتا ہے۔ کہ ہندوؤں کی کمزوری ڈسٹرکٹ بورڈوں میں بوجہ ان کی رغبت کی کمی کے ہے۔ تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ کونسلوں میں بھی وہ مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھائیں گے کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ ڈسٹرکٹ بورڈوں میں زیادہ تر زمیندار کا انٹرسٹ ہوتا ہے۔ اور بنیا زمین تو خرید لیتا ہے۔ لیکن وہ کبھی زمیندار نہیں بننا چاہتا۔ اس وجہ سے وہ ڈسٹرکٹ بورڈ کے کام میں اس قدر حصہ نہیں لیتا۔ جس قدر کہ بظاہر اسے لینا چاہیئے۔ اور جو ہندو زمیندار ہے۔ وہ اسی طرح بنیئے کے ہاتھوں مظلوم ہے جیسے کہ ہم مسلمان ہیں۔ سرکاری عہدوں کو دیکھو ان میں کانگڑہ۔ حصار۔ رہتک گوڑگانواں کرنال۔ انبالہ کے ہندو زمیندار بھی ویسے ہی کم نظر آئینگے۔ جیسے کہ مسلمان بلکہ غالباً ان سے بھی کم۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ ملکر ہندو بنیئے کے تسلط کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں زیادہ مقابلہ اس طبقہ کے لوگوں سے ہے نہ کہ ہندو تاجر اور ساہوکار سے۔

علاوہ ازیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ڈسٹرکٹ بورڈ کے انتخاب میں مرکزی انجمنیں دخل نہیں دیتیں۔ اور نہ شہروں سے آکر لوگ امیدوار بنتے ہیں۔ لیکن کونسلوں میں مرکزی مجالس آکر دخل دیتی ہیں۔ اور وہاں کے مالدار لوگ آکر مقابلہ کرتے ہیں۔ پس دونوں کی مشابہت آپس میں بالکل ہی نہیں ہے۔

خلاصہ کلام

خلاصہ یہ کہ اول تو جو اعداد پیش کئے گئے ہیں۔ وہ اس صورت میں نہیں۔ کہ سائنٹفک طور پر ان سے کوئی نتیجہ نکالا جا سکے۔ اور اگر ان سے وہی نتیجہ بھی نکلے جو نکالا جاتا ہے۔ تو بھی ڈسٹرکٹ بورڈوں پر کونسلوں کے ایلکشنوں کا قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ دونوں میں کوئی مماثلت نہیں اور نتیجہ نکالنے کیلئے مماثلت کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔

مسلمانوں کی قومی ہستی کو خطرہ

مگر میں کہتا ہوں۔ کہ ایک منٹ کے لئے تمام وہ امور تسلیم کر لو۔ جو اس مثال کے پیش کرنے والے منوانا چاہتے ہیں۔ پھر بھی میں پوچھتا ہوں کہ کیا ان اعداد سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمان ہمیشہ انتخاب میں غالب رہیں گے۔ یا یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ کبھی مسلمان بھی غالب ہو سکیں گے میں نہیں سمجھ سکتا۔ کہ کوئی عقلمند بھی ان اعداد سے یہ نتیجہ نکالے گا۔ کہ ہمیشہ مسلمان اپنی تعداد سے زیادہ نشستیں لیا کرینگے۔ کیونکہ جس آرگنی زیشن کا دروازہ مسلمانوں کے لئے کھلا ہوگا اسی کا دروازہ ہندوؤں کیلئے بھی کھلا ہوگا۔ اور پھر جب ہم اس امر کو مدنظر رکھیں کہ ہندو اقلیت میں اور اقلیت میں جوش اکثریت سے زیادہ ہوتا ہے اور اس سے بڑھکر اس بات کو بھی دیکھیں کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں پنجاب میں دو اقلیتیں ہیں اور ان میں سے ہر اک یہ سمجھتی ہے کہ میں بہت تھوڑی ہوں اور یہ امر ان کے جوش کو بڑھا دیتا ہے۔ اور پھر یہ دیکھیں کہ یہ دونوں اقلیتیں ملکر مسلمانوں کے قریب پہنچ جاتی ہیں۔ تو خطرہ اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اگر مسلمان بعض اوقات اکثریت حاصل کر لیں گے۔ تو یہ دوسری اقوام بھی ضرور اکثریت حاصل کرتی رہینگی۔ اور اگر یہ ہوتا رہا تو پھر مسلمانوں کیلئے اس رنگ میں ترقی کرنیکا کوئی موقع نہ رہیگا۔ جو ہندوؤں کو دوسرے محکموں میں ملیگا۔ اور مسلمانوں کو چند ہی سال میں پورے طور پر اپنے آپکو ہندو کلچر کے آگے ڈالکر اپنی قومی ہستی کو کھو دینا پڑیگا۔ کلچر کی ترقی کے لئے زبردست حکومت کی اس قدر ضرورت نہیں جس قدر کہ

مولوی محمد علی صاحب غیر احمدیوں کو کیا سمجھتے ہیں

جناب مولوی محمد علی صاحب اخبار پیغام صلح ۳ اگست میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ہم میاں صاحب کی مخالفت صرف ان کے عقیدہ تکفیر کی وجہ سے کرتے ہیں۔ اور میاں صاحب نے یہ غلط لکھا ہے۔ کہ میں بھی ان عقائد کا معتقد رہا ہوں۔ اور پھر آگے چل کر چیلنج بھی دیتے ہیں۔ کہ میں نے کبھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نہ ماننے والوں کو کافر نہیں کہا۔ اور میری کسی تحریر یا تقریر سے کوئی حوالہ نہیں پیش کیا جا سکتا۔

یہ چیلنج صرف غیر احمدیوں کو جماعت احمدیہ کے خلاف بھڑکانے اور سلسلہ عالیہ احمدیہ سے لوگوں کو متنفر کرنے کی غرض سے دیا گیا ہے۔ ورنہ مولوی صاحب خود بھی جانتے ہیں۔ کہ دراصل ان چیلنج کی کچھ حقیقت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ خود بھی حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے فرمودہ کے مطابق ان عقائد کے معتقد رہ چکے ہیں۔ اور آج کل بھی غیر احمدیوں کو منہ سے مسلمان کہتے ہوئے ان کا ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنا ظاہر کرتا ہے۔ کہ اصل میں وہ انہیں مسلمان نہیں سمجھتے۔ چونکہ جناب مولوی صاحب کو حضرت مسیح موعودؑ کے نہ ماننے والوں کو کافر قرار دینے کا اپنی تحریر سے حوالہ معلوم کرنے کا شوق ہے۔ لہٰذا میں ان کی خواہش پوری کئے دیتا ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب کی تجویز پر ۱۹۰۵ء میں ایڈیٹر صاحب اخبار وطن نے ایک فنڈ اس غرض سے شروع کیا تھا۔ کہ اس سے ریویو آف ریلیجنز کی کاپیاں بیرونی ممالک میں بھیجی جائیں۔ بشرطیکہ اس میں حضرت مسیح موعودؑ کا نام نہ ہو مگر حضرت اقدس نے اس تجویز کو اس بنا پر رد کر دیا کہ مجھکو چھوڑ کر کیا مردہ اسلام پیش کروگے۔ اس پر ایڈیٹر صاحب وطن نے اس چندہ کے بند کرنے کا اعلان کر دیا۔ اور مولوی محمد علی صاحب نے ریویو آف ریلیجنز جلد ۵ نمبر ۳ کے صفحہ ۱۲۱ پر بعض اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے لکھا۔ کہ ہم کبھی امداد کے خواہاں نہیں ہوئے اور کیونکر ہو سکتے تھے جبکہ ہم خدا کا ہاتھ اس سلسلہ کی تائید میں کام کرتا ہوا دیکھتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ غیر احمدیوں میں دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ ان مخالفین مکذبین کا ہے۔ جو اس سلسلہ کی تکفیر کرتے ہیں۔ اور دوسرا گروہ وہ ہے۔ اور وہی بڑا گروہ ہے جو آہستہ آہستہ اس سلسلہ کی طرف حرکت کرتا چلا آ رہا ہے۔ جب اس فریق کو معلوم ہوا کہ ریویو آف ریلیجنز باہر دنیا میں کیا کام کر رہا ہے۔ تو انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی۔ کہ اس کی اشاعت میں وہ بھی مدد دینے کو تیار ہیں۔ بشرطیکہ حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کا اس میں ذکر نہ ہو۔ ان سب کو نفی میں جواب دیا گیا۔ اس کے بعد ایڈیٹر وطن کی طرف سے تحریک ہوئی۔ اس کا جواب بھی نفی میں دیا گیا۔ ان کے اصرار پیا اور بار بار کہنے پر خواجہ صاحب کے ذہن میں یہ تجویز آئی جس کا ماحصل یہ تھا۔ کہ حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ کے لئے چند اوراق الگ کر دئے جاویں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ مرزا صاحب کا وجود اشاعت اسلام میں روک ہے۔ یا یہ کہ مسیح موعودؑ کی ضرورت نہ ہوئی۔ یا یہ کہ رسالہ بغیر دوسروں کی مدد کے کامیاب نہ ہوا۔ یا یہ کہ مولوی انشاء اللہ خان نے احمدی عقائد سے توبہ کرالی۔ یہ اعتراض مخالفین کے ان کی اسی قسم کی بیہودہ گوئی ہے۔ جیسے وہ ہمیشہ سے کرتے ہیں افسوس ان دین سے بیخبروں پر۔ وہ صلح حدیبیہ کی شرائط پر غور کرتے۔ مگر اس جگہ تو اس قسم کی بھی کوئی شرط نہ تھی۔

کیا مولوی صاحب بتائیں گے۔ کہ حدیبیہ کے مقام پر دو مسلمان گروہوں میں صلح ہوئی تھی۔ یا مسلمانوں اور کافروں میں۔ اگر مسلمانوں اور کفار میں یہ صلح ہوئی تھی۔ تو مولوی صاحب نے اپنی گفتگو صلح کو اس سے مشابہت دے کر اپنے آپ کو کس فریق کے مشابہ ٹھہرایا ہے۔ اور غیر احمدیوں کو کس فریق کے مشابہ۔ یہ تو صاف ظاہر ہے۔ کہ مولوی صاحب نے اپنے آپکو مسلمان فریق قرار دیا ہوگا۔ اس لئے یقیناً انہوں نے غیر احمدیوں کو کافر ٹھہرایا۔

نیز اسی ریویو کے صفحہ ۱۲۲ میں مولوی صاحب لکھتے ہیں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ انہیں اصولی اختلاف ہے چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:-

بعض فروعی مسائل کو اگر الگ بھی رکھا جائے تاہم اصولی مسائل تو بالکل جدا نہیں ہو سکتے۔ پس کسی تجویز کا یہ منشا تو ہو نہ سکتا تھا۔ کہ ہم اپنے عقائد کے خلاف کوئی اور اسلام پیش کرینگے

مولوی صاحب ذرا ان اصولی اختلافات کی تشریح فرما دیں۔ تو معلوم ہو سکے۔ کہ ان اختلافات کے باوجود وہ کس طرح غیر احمدیوں کو مسلمان قرار دیتے ہیں۔ لیکن ممکن نہیں۔ کہ مولوی صاحب اصولی اختلافات کا نام بھی لیں۔ خاکسار شاہ عالم از جہلم

وصیت منسوخ

عبدالرحمن صاحب ولد قادر بخش صاحب باشندہ جالندھر حال دیولالج شملہ نے اپنی وصیت ۱۴۲ کی منسوخی کیلئے رجسٹرڈ نوٹس مورخہ ۱۹ ستمبر ۱۹۲۸ء بدستخط گواہان محمد اکبر علی۔ عبدالرزاق و عبدالغفور صاحبان بھیجا ہے۔ چونکہ موصی نے ۱۹۱۸ء سے زر وصیت (حصہ آمد) ادا کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اس لئے ہم تو اس وصیت کو پہلے ہی سے کالعدم سمجھتے اور جانتے تھے۔ کہ موصی عبدالرحمن صاحب اپنے عہد کو توڑ چکے ہیں۔ اب ان کی اپنی تحریر آ چکی ہے۔ اس لئے ان کی وصیت ۱۴۲ کی تنسیخ کا اعلان حسب ریزولیوشن ۲۳ مجلس کارپرداز مصالح قبرستان مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۲۸ء کیا جاتا ہے۔ ہیڈ سیکرٹری مجلس کارپرداز مصالح قبرستان مقبرہ بہشتی قادیان

ہندوستان کی خبریں

الٰہ آباد - ۱۱ اکتوبر۔ صوبہ متحدہ کی آدھ ہندو (پسماندہ طبقے) سبھا کا ایک جلسہ عام منعقد ہوا۔ بعض قراردادیں منظور کی گئیں۔ جن میں یہ رائے ظاہر کی گئی کہ نہرو کمیٹی کی رپورٹ اور نام نہاد آل پارٹیز کانفرنس کی جانب سے اس کی توصیف و تحسین اس امر کی کوشش ہے کہ اعلیٰ طبقہ کے ہندو اور مسلمان سوراج حاصل کر کے ہمارے ساتھ وہی خلاف انسانیت سلوک روا رکھیں۔ جس کی مشق وہ سالہا سال سے پسماندہ جماعتوں پر کر رہے ہیں نیز پسماندہ قوموں کیلئے جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کا مطالبہ کیا گیا۔

پشاور - ۱۱ اکتوبر۔ کابل کی اطلاعات مظہر ہیں۔ کہ شاہ امان اللہ خاں نے حال ہی میں جو اہم تقریر فرمائی تھی۔ اس میں ایک خاص بات یہ تھی۔ کہ شاہ موصوف نے برطانی شاہی خاندان کے ساتھ اپنے دوستانہ تعلقات قائم ہونے پر اظہار مسرت کیا تھا۔ دوران تقریر میں یہ بھی فرمایا۔ کہ چونکہ شیر احمد خاں جن کو ترتیب وزارت کی خدمت تفویض کی گئی تھی۔ اس کام کے سرانجام دینے میں ناکام رہے ہیں۔ اس لئے بحالت موجودہ میں خود وزیر اعظم کی خدمات انجام دوں گا۔

بمبئی - ۱۱ اکتوبر۔ جی۔ آئی۔ پی ریلوے نے جو سرکاری تحقیقات کرائی تھی۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ الٰہ آباد ایکسپریس پر جو حادثہ بمب واقعہ ہوا۔ وہ آتشگیر مادہ کے پھٹنے سے ہوا۔ حکام ریلوے کے نظام پر اس کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

مدراس - ۱۰ اکتوبر۔ دیوداسی طریقہ کی منسوخی کیلئے ہندوؤں کے مذہبی اوقاف کے قانون میں تبدیلی کرنے کے متعلق جو مسودہ پیش کیا گیا تھا۔ وہ منتخب کمیٹی کے حوالے کر دیا گیا۔

احمد آباد - ۱۰ اکتوبر۔ گجرات کے مشہور شاعر ننھالال کوی کی زیر صدارت لوگوں کا ایک جلسہ ہوا جس میں بچھڑا ہلاک کرانے پر مہاتما گاندھی کی کارروائی کی مذمت کی گئی۔

لاہور - ۱۰ اکتوبر۔ خیال کیا جاتا ہے۔ کہ وائسرائے ہند کانگڑہ ویلی ریلوے کا افتتاح کریں گے۔ یہ ۲۰ دسمبر کو جاری ہوگی۔ اور ریاست منڈی تک جائے گی۔

لاہور - ۱۰ اکتوبر۔ کرنل او۔ برائن نے سول ملٹری گزٹ میں ایک آرٹیکل کے دوران میں پنجاب میں ارتکاب جرائم کا ایک خوفناک نقشہ کھینچا ہے۔ آپ بیان کرتے ہیں۔ کہ دنیا میں سب سے زیادہ جرم کرنے والے ملک ریاستہائے متحدہ امریکہ ہندوستان واقع ہیں۔ پنجاب میں ایک سال میں پھانسی پانیوالوں کی تعداد ۱۶۲ ہے۔ جو ہندوستان کے دیگر چھ صوبوں کی اکٹھی تعداد سے بھی زیادہ ہے۔ آپ کی رائے میں اسکی وجہ محکمہ تفتیش جرائم میں خرابی ہونا ہی مقدموں کے فیصلہ میں دیری ذلت سے کم نہیں۔ بہت سا کام جو کہ تجربہ کار و ذمہ دار حکام کو کرنا چاہیئے جاہل آنریری مجسٹریٹوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔

لاہور - ۹ اکتوبر۔ بہاولپور سے ایک عورت دو روز کی لڑکی کا اغوا کر کے سیالکوٹ لے گئی تھی۔ پولیس نے اس کا چالان کیا تھا آج مجسٹریٹ نے اسے ایک سال قید سخت کی سزا دی ہے۔

بمبئی - ۱۱ اکتوبر۔ برطانیہ کے مالی حلقوں میں جو زبردست پراپیگنڈا اس غرض سے کیا جا رہا ہے۔ کہ ہندوستان کی اصلاحات میں مزید اضافہ نہ کیا جائے۔ وہ مسٹر حاجی کے اس بل کے باعث زیادہ زور دار ہو گیا ہے۔ جس کی غرض یہ ہے۔ کہ ہندوستان کی ساحلی تجارت ہندوستانی جہازوں کے لئے مخصوص کیجائے۔

دہلی - ۱۱ اکتوبر۔ سشن جج کیمبل پور کی عدالت سے راجہ کشن کو زیر دفعہ ۳۷۶-۳۷۷ سزائے جلاوطنی اور زیر دفعہ ۵۰۴ ایکہزار روپیہ جرمانہ کی سزا کا حکم سنایا گیا ہے۔

شملہ - ۱۲ اکتوبر۔ پنجاب کونسل کا آئندہ اجلاس ۲۶ نومبر کو لاہور میں شروع ہوگا۔ جبکہ ہز ایکسیلنسی گورنر پنجاب کونسل کے ایوان میں تقریر کریں گے۔ غیر سرکاری امور پر بحث و تمحیص کے لئے تین دن طے کئے گئے ہیں۔

ڈائرکٹر محکمہ اطلاعات کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ گورنمنٹ انجینئرنگ سکول رسول کے امتحان داخلہ کا مقابلہ یونیورسٹی ہال لاہور میں ۱۳ نومبر سے ۱۷ نومبر تک ہوگا۔

ڈپٹی کمشنر فیروزپور نے ذبیحہ گاؤ اور بوچڑ خانہ بنائے جانے کی اجازت مسلمانوں کو دیدی تھی جس کے خلاف ہندوؤں نے کمشنر صاحب جالندھر کی عدالت میں نگرانی دائر کر رکھی تھی۔ چنانچہ ۹ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو کمشنر صاحب نے طرفین کے وکلاء کی دلائل کو سنا۔ ہندوؤں کی طرف سے رائے بہادر پنڈت دیوی چند اور سردار بھگت سنگھ جی وکیل تھے۔ اور مسلمانوں کی طرف سے چوہدری ظفر اللہ خاں اور مسٹر امیر الدین وکیل

کلکتہ - ۱۲ اکتوبر۔ کانگریس استقبالیہ کمیٹی کی ایک میٹنگ ہوئی۔ اس میں فیصلہ کیا گیا۔ کہ احاطہ کانگریس میں برٹش مال لانے کی بندش کر دی جائے۔ نیز برٹش مال بیچنے والوں کا اشتہار بھی نہ لیا جائے۔

بمبئی - ۱۲ اکتوبر۔ کل رات جب کمیشن کی اسپیشل ٹرین یہاں سے روانہ ہوئی۔ تو سر سائمن صدر کمیشن نے ایک نمائندہ پریس کے ذریعہ ہندوستان کو یہ پیام دیا۔ ہندوستان کو بتا دو۔ کہ اپنے کام کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے ہم واپس آئے ہیں۔ امید ہے۔ کہ اس کام سے نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیا کا بھلا ہوگا۔

لاہور - ۱۱ اکتوبر۔ معلوم ہوا ہے۔ کہ گورنمنٹ ایک ایسی تجویز پر غور کر رہی ہے۔ جس کے مطابق دہلی صوبہ کا ایک علیحدہ گورنر مقرر کیا جائے گا۔

معلوم ہوا ہے۔ کہ پنڈت مدن موہن مالوی عنقریب صوبہ سندھ کا دورہ کرنے والے ہیں۔

سری نگر۔ راجہ صاحب پونچھ کی دی ہوئی گارڈن پارٹی کے موقعہ پر ہز ہائینس مہاراجہ کشمیر کی سالگرہ منائی گئی۔ تقریباً چھ صد مہمان جن میں یورپین بھی شامل تھے۔ شریک پارٹی ہوئے۔

پنجاب کے خلافتی لیڈر جو نہرو کمیٹی کی تائید میں زور لگا رہے ہیں۔ ۱۲ اکتوبر کو دہلی میں تقریریں کرنے گئے۔ وہاں ان کے ساتھ اور خصوصاً ان کے قائد اعظم مولوی ظفر علی صاحب کے ساتھ جو سلوک ہوا۔ اس کا مختصر سا ذکر درج ذیل ہے:-

جامع مسجد میں پہلے مسلمانان دہلی کا جلسہ ہوا جس میں میونسپل کمیٹی دہلی کے جدید قوانین کے خلاف پر زور صدائے احتجاج بلند کی گئی اس کے بعد خلوطیوں کا جلسہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے مولانا ظفر علی خاں تقریر کرنے کیلئے کھڑے ہوئے۔ دس ہزار مسلمانوں کے جلسہ نے باتفاق آواز دی۔ کہ آپ ہمارے لیڈر نہیں ہیں ہم کوئی لفظ آپ لوگوں کی زبان سے سننا نہیں چاہتے۔ ظفر علی خاں نے پگڑی اتار کر کہا کہ صرف دس منٹ میری تقریر سن لیجئے۔ مگر لوگوں نے بہت گالیاں دیں۔ اور کہا ہم ہرگز تم سے لوگوں کی تقریر سننا نہیں چاہتے۔ تم مسلمانوں کے دشمن ہو تم نے ہندوؤں سے روپیہ لیکر مسلمانوں کے حقوق کو ہندوؤں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ تم اسلام کے دشمن ہو۔ ڈاکٹر انصاری نے لوگوں کو سمجھانا چاہا۔ مگر مسلمانوں نے ڈاکٹر صاحب کو بھی بے نقط سنائیں۔ اور کہا کہ کبھی نماز تک کے لئے تو آتا نہیں ہے۔ جلسہ کرنے اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کیلئے آگیا۔ آخر مجبوراً ان لوگوں کو مسجد سے نکلنا پڑا اس ناکامی پر مولانا ظفر علی خاں کو غصہ آیا۔ انہوں نے ممبر سے اترتے وقت مسلمانان دہلی کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اس پر ایک پنجابی مسلمان نے مولانا کے ایک چپت رسید کر دیا۔ چند مسلمانوں نے ان لوگوں کو حلقہ میں لے کر جامع مسجد سے باہر نکالا۔ ورنہ خدا معلوم کیا ہو جاتا۔

جس ممبر پر مولانا ظفر علی خاں ۱۹۱۲ء میں ایک نوجوان پنجابی کی اپنے جلوس کے پیروں تلے جان لینے کے بعد کئی بار رونق افروز ہوئے تھے آج وہی ممبر ان کیلئے سوہان روح بنا۔ بلکہ آپکو جان کے لالے پڑ گئے۔ حاضرین جلسہ نے دوبارہ عمل کیا کہ آپ اتر جائیں ہم آپ کا وعظ سننا نہیں چاہتے۔ مولانا ظفر علی خاں نے فرمایا۔ کہ تم میری بات سن لو ذرا بیٹھ جاؤ۔ مگر زبان سے بیٹھ جاؤ۔ اور ہاتھ سے ظفر علی خاں کی تواضع ہو رہی تھی۔ بعض حاضرین نے جو غیر ذمہ دارانہ روش اختیار کی تو مارنے پیٹنے کی دھمکی کے الفاظ سنائی دئے۔ جس پر مولانا ظفر علی خاں نے کئی بار سر نیچا کر دیا۔ اور ایک دو مرتبہ پگڑی اتار دی۔ کہ لو بھئی سر حاضر ہے مار لو۔ مگر لوگوں نے کوئی پرواہ نہ کی۔ اور کہا کہ تم اتر جاؤ۔ ہم تمہارا ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتے۔ ایک شخص نے حاضرین سے کہا۔ کہ جلسہ برخاست ہو گیا۔ تم ہی گھروں کو چلے جاؤ۔ اس پر جواب ملا کہ ان لوگوں کا (انصاری ظفر علی۔ آصف علی) اعتبار نہیں۔ اپنے ۵-۷ پٹھوؤں کا جلسہ کر کے ریزولیوشن پاس کر کے اخبارات میں کامیابی اڑا دیں گے۔ ایک شخص نے مولوی صاحب کی ٹانگ پکڑ کر کھینچ لی پیچھے سے ایک نے چپت رسید کی۔ غرض دھکا پیلی یہاں تک بڑھی۔ کہ ظفر علی خاں پر لوگ گر پڑے۔ دو چار چانٹے بھی پڑ گئے۔ بعض نے مولانا ظفر علی خاں کو حلقہ میں لیلیا۔ مگر بعض دکھلاوے کی خاطر پیچھے سے چانٹا رسید کرتے تھے۔ اور بظاہر اوپر گرنے والے مجمع سے دھکا پیلی کر کے ظفر علی خاں کو بچاتے تھے۔ مولانا ظفر علی خاں کو مسجد کے دالان میں لے آئے۔ حلقہ میں ان کا تحفظ کیا جا رہا تھا۔ گویا کہ موت کے منہ سے نکال کر لائے ہیں۔ آخر افسردگی و یاس کی حالت میں مولانا

(عبد الرحمٰن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپوا کر مالکان کے لئے قادیان سے شائع کیا)

احمدیہ مشن لنڈن کے ایک ہفتہ کے حالات پر سرسری نظر

(ایک گریجوایٹ کے قلم سے)

یہاں کے کام میں بہت سے چھوٹے بڑے لوگوں کا حصہ ہوتا ہے اور ہر ایک جو کسی نہ کسی رنگ میں سلسلہ سے تعلق رکھتا ہے اپنی محنت اور کوشش اس کام کے لئے خرچ کرتا ہے۔ کچھ دنوں سے ڈاکٹر عطاء اللہ صاحب جنہوں نے حال ہی میں لاہور سے ایم۔ بی۔ بی ایس کا امتحان پاس کیا۔ اور اب مزید تعلیم کے لئے لنڈن آئے ہیں۔ یہاں خانصاحب منشی فرزند علی صاحب کی ہدایات کے مطابق دفتر میں کام کیا۔ آنے والے نومسلم گفتگو کے شائق ہوتے ہیں۔ ان سے گھنٹوں مختلف مضامین پر اسلامی نقطۂ نگاہ سے گفتگو کرنا بھی ایک بڑا کام ہے۔ اس میں بھی ڈاکٹر صاحب حصہ لیتے رہے۔ نومسلموں سے سلسلہ کے امتیازات قادیان کے حالات۔ آئندہ مغرب میں اسلام کی ترقی کے سامان۔ اس قسم کی باتیں گفتگو میں ہوتی ہیں۔ اس سے انھیں ان باتوں کے متعلق مزید مطالعہ کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اور سلسلہ کے کاموں سے انھیں جو تعلق ہوتا ہے وہ زیادہ گہرا ہو جاتا ہے ◆

جمعہ کی نماز میں روز بروز رونق بڑھ رہی ہے۔ چنانچہ اب قریباً ہر جمعہ کو بیس کے قریب مرد اور عورتیں نماز اور خطبہ میں شامل ہوتی ہیں۔ خانصاحب ضروریات پیش آمدہ یا حاضرین میں سے بعض کی مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے انگریزی میں خطبہ پڑھتے ہیں۔ چنانچہ پچھلے جمعہ انھوں نے بتایا کہ اگر انسان ان عنایات کو یاد کرے۔ جو خدا نے اس پر کی ہیں۔ تو کبھی ان کو گننے میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔ اور جتنا وہ یاد کریگا۔ اتنا ہی خدا تعالیٰ کا شکرگذار ہونے کے لئے زیادہ راہ نظر آئیں گی۔ اسی سلسلہ میں آپ نے فرمایا۔ منجملہ ان عنایات کے جو خدا تعالیٰ نے انفرادی طور پر ہم پر کی ہیں۔ ایک بڑا فضل جو اس زمانہ کے لوگوں پر کیا ہے۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود ہے۔ جن پر ایمان لانا ہمارے لئے ہزار نعمت و برکت ہے۔ انہوں نے ہمیں وہ یقین و عرفان عطا کیا ہے۔ جو آج کل کے زمانہ کے لحاظ سے انسان کو راستی اور نیکی کی طرف لے جانے کے لئے از بس ضروری ہے۔ اور خدا تعالیٰ پر یقین جو دن بدن کم ہو رہا تھا۔ اسے از سر نو اپنے نشانات سے تازہ کر دیا۔ اور اس کے وجود کو جو دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو رہا تھا۔ دوبارہ اپنی گواہی سے ثابت کر دیا ◆

خطبہ کے بعد ایک شخص نے جو دہریہ خیالات سے دبا ہوا تھا بہت اطمینان اور پسندیدگی کا اظہار کیا۔

گذشتہ ہفتہ ایک نومسلم مسٹر شل دارالتبلیغ میں آکر رہا۔ اور اس نے اپنے آپ کو یہاں کے کام میں مصروف کر دیا۔ ہمارے سٹاک میں کتابیں اور دوسری چیزیں جو ترتیب چاہتی تھیں۔ اس شخص نے دن رات کی محنت سے انھیں ٹھیک کیا۔ انھیں قرینہ سے رکھا۔ ہر ایک حصہ پر لیبل لگائے۔

ایک روز پروفیسر عبدالرحمٰن صاحب جو دہلی کالج سے آئے ہیں۔ یہاں تشریف لائے۔ دیر تک خانصاحب سے ان امور پر جو سلسلہ سے متعلق تھے۔ گفتگو کرتے رہے۔ کئی ایک باتوں کا ذکر ہوا۔ ان کو خانصاحب نے تلقین کی۔ کہ وہ ہندوستان جائیں۔ تو پہلا موقعہ جو ان کو ملے۔ وہ قادیان جا کر حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں۔ آج ہی روز کیمبرج کے تین انگریز طلبا دو لڑکے اور ایک لڑکی آئے۔ اُن کے آنے کا باعث یہ ہوا۔ کہ ان دنوں یونیورسٹیوں میں جو کہ تعطیلات ہیں یہ نوجوان عیسائیت کی تبلیغ کے لئے باہر نکلے ہوئے ہیں۔ ایک پارک میں ان کی ملاقات ہمارے برادر شیخ عبدالرحیم صاحب سے ہوئی۔ جو کہ تبلیغ کے لئے جایا کرتے ہیں۔ شیخ صاحب یہاں تجارت کا کام کرتے ہیں۔ ان کی باتیں سن کر وہ بہت متعجب ہوئے۔ کہ وہ اپنے علم اور کمال کو کہ دنیا کو عیسائیت کی دعوت دے رہے ہیں۔ مگر یہاں اسلام کی دعوت خود ان کو مل رہی ہے۔ مسجد میں آکر انھوں نے یورپین اور ایشیائی مسلمانوں کو رکوع و سجود میں خدا کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا۔ چائے کے وقت اور اس کے بعد خانصاحب نے ان کو تبلیغ کی۔ اور بتایا۔ کہ خدا کی رضا کا راستہ نبیوں کے ذریعہ معلوم ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں حضرت احمدؑ نے یہ راستہ دنیا کو دکھایا۔ اور یہ رستہ اسلام کی پیروی کا رستہ ہے۔ تینوں طلبا حیران و ششدر تھے۔ ان کی توقعات کے خلاف سب نظارے ان کو نظر آرہے تھے۔ انگریز نومسلم خانصاحب کے اشاروں پر ان کے آگے پیچھے دوڑتے۔ اس اطاعت اور اخلاص کے نظارہ نے ان کی طبیعتوں پر خاص اثر کیا۔ ان کو بعض کتابیں بھی دی گئیں ◆

اتوار کا دن یہاں کے کام کے لحاظ سے خاص ہوتا ہے۔ کیونکہ اس روز نومسلموں کا ہجوم ہوتا ہے۔ اور دوسرے لوگ بھی آتے ہیں۔ پھر ایسے لوگ جو ہفتہ کے دوسرے ایام میں کام کی وجہ سے یہاں نہیں آسکتے۔ وہ بھی اتوار کو جمع ہو جاتے ہیں۔ دور دور سے کرایہ خرچ کرکے یہ لوگ جمع ہوتے ہیں۔ خانصاحب اتوار کے روز قرآن شریف کا درس دیتے ہیں۔ اس میں کئی قسم کی باتیں آجاتی ہیں۔ قرآنی علوم۔ اخلاقی تلقین۔ نبی کریم اور حضرت مسیح موعودؑ کے حالات کا ذکر۔ ان درسوں کو سنکر نومسلموں میں اور دوسروں میں قربانی کا مادہ پیدا ہو رہا ہے۔ یہاں خدا کے فضل سے نومسلم بھی چندہ دیتے ہیں۔ اور دوسرے بھی۔ نومسلموں سے چندہ نومسلم وصول کرتے ہیں۔ اخلاص کے نظارے بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ ایک شخص مسٹر بازلی حال ہی میں داخل سلسلہ ہوا ہے۔ وہ گھنٹوں آکر مسجد میں صفائی اور دوسرے کام کرتا ہے۔ ایک نوجوان خاتون مس فوجسٹ کو اپنے اعزہ کی طرف سے تکلیف دیجاتی ہے۔ لیکن اس کی استقامت ایسی ہے۔ کہ وہ اسلام کی خاطر ان کی تکلیف کو برداشت کر رہی ہے ◆

ہندوستانی طلبا کی آمد بھی رہتی ہے۔ چنانچہ ایک روز گذشتہ ہفتہ میں شیخ عبدالرحمٰن صاحب ایم۔ اے۔ آئی۔ سی۔ ایس جو آکسفورڈ میں گذشتہ دو سال تعلیم پاتے رہے ہیں۔ اور عنقریب پنجاب آنے والے ہیں۔ مسجد میں تشریف لائے۔ [illegible] ان سے گفتگو ہوتی رہی۔ ان کے ساتھ ان کے ایک عزیز بھی تھے ◆

دعوت و تبلیغ کا ایک ضروری اعلان

دفتر دعوت و تبلیغ کو ایک دقت عرصہ سے محسوس ہو رہی ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ جب کوئی مبلغ یہاں سے باہر کسی جگہ کسی جلسہ یا مناظرہ کے لئے جاتا ہے۔ تو اس کو ایک خاصہ بڑا ٹرنک کتابوں کا اپنے ہمراہ لے جانا پڑتا ہے۔ اس کے دو ایسے نقصان ہیں۔ ایک تو لائبریری تالیف و تصنیف کی کتابیں بار بار باہر جانے سے خراب ہوتی ہیں دوسرے اس بوجھ کے کرایہ ٹرنک وغیرہ کے اخراجات اور کرایہ ٹمٹم یا موٹر پر ایک خاصی رقم خرچ ہو جاتی ہے۔ پھر یہ ایک ایسا بوجھ ہے جو مبلغ میں روک کا موجب بھی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر مبلغ خالی ہاتھ ہو یا اس کے پاس صرف چند کتابیں ہوں۔ جو وہ ہاتھ میں لے سکے۔ تو اس صورت میں وہ مقام مناظرہ یا جلسہ سے فارغ ہو کر اس کے قریب اور دیہات اور جماعتوں کا دورہ بھی کر سکتا ہے۔ لیکن جب اس کے پاس اتنا بڑا بوجھ ہو۔ تو وہ ایسی جگہوں میں بوجھ کی وجہ سے نہیں جا سکتا۔ پس اس دقت کو دور کرنے کے لئے میرے ذہن میں یہ تجویز آئی ہے۔ کہ تمام احمدیہ جماعتیں حضرت مسیح موعودؑ اور حضور کے خلفاء اور سلسلہ کے بزرگوں کی تصنیفات اپنے پاس رکھیں۔ اور علاوہ ان کتب کے مناظرہ میں کام آنے والی دیگر کتب بھی مثلاً بخاری۔ مسلم۔ حجج الکرامہ وغیرہ۔ اگر ہر ایک جماعت میرے اس اعلان پر توجہ کرے اور انشاء اللہ مجھے امید ہے۔ کہ ضرور توجہ کرے گی۔ تو اس سے کئی فوائد ہیں۔ اول اخراجات میں تخفیف۔ دوم مبلغ کے لئے سہولت تیسرے جماعت کو لٹریچر کا شوق اور لائبریری رکھنے کا مذاق۔ اور بڑا فائدہ اس کا یہ ہوگا۔ کہ ایسی لائبریری تبلیغ کا بھی مفید ذریعہ ہو سکتی ہے۔ میں امید کرتا ہوں۔ کہ تمام جماعتوں کے اراکین اس ضروری اعلان پر فوری توجہ فرمائیں گے۔ اور مقامی چندوں سے اس مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہ ضروری نہیں۔ کہ تمام کتب ایک ہی بار خریدی جائیں حسب استطاعت رفتہ رفتہ بھی خریدی جا سکتی ہیں۔ جو جماعتیں اس کام کے لئے تیار ہوں۔ اُن کے امراء یا سکرٹریان تبلیغ آخر اکتوبر تک مجھے اطلاع دیں ◆

محمد دین قائمقام ناظر دعوت و تبلیغ

مخلصین کی خدمت میں التماس

نیروبی میں ایک عرصہ سے احمدیہ لائبریری و ریڈنگ روم قائم ہے۔ مگر ابھی اس میں بہت اضافہ کی ضرورت ہے۔ نیروبی ایک ایسے ملک کا صدر مقام ہے۔ جہاں یورپین۔ ہندوستانی اور دیسی اقوام میں تبلیغ حق کا وسیع میدان ہے۔ لہٰذا ضرورت ہے۔ کہ اشاعت دین کے لئے اس جگہ احمدیہ لٹریچر بڑے پیمانہ پر مہیا ہو۔ پس تبلیغ دین کا شوق رکھنے والے احباب کی خدمت میں گزارش ہے۔ کہ اگر وہ کسی مفید دینی کتاب یا ٹریکٹ۔ انگریزی یا اردو۔ یا کسی اخبار یا رسالے کے اجراء کا عطیہ اس لائبریری اور ریڈنگ روم کیلئے دے سکتے ہیں۔ تو ضرور دیکر عند اللہ ماجور ہوں۔ مستعمل کتاب بھی شکریہ سے قبول کی جائیگی۔ اگر براہ راست یہاں ارسال کرنے میں دقت ہو۔ تو ہمارے نام پر ناظر صاحب دعوۃ و تبلیغ قادیان کے دفتر میں جمع کرا دیں۔ ہم وہاں سے اپنے خرچ پر منگوا لینگے۔ انگریزی لٹریچر کی خصوصیت سے ضرورت ہے ◆

خاکسار عبدالسلام بھٹی سیکرٹری تبلیغ جماعت احمدیہ نیروبی۔ کینیا کالونی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الفضل

نمبر ۳۲ | قادیان دارالامان مورخہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۸ء | جلد ۱۶

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ — ھو الناصر

نہرو رپورٹ اور مسلمانوں کے مصالح

جو کچھ مسلمانوں کو حاصل ہے نہرو رپورٹ نے وہ بھی چھین لیا

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے

(۵)

مسلمانوں کا تیسرا مطالبہ

نیابت مطابق آبادی

تیسرا مطالبہ مسلمانوں کا یہ تھا۔ کہ ہر صوبہ میں ہر جماعت کو اس کی تعداد کے مطابق نمائندگی کا حق دیا جائے۔ سوائے اس صورت کے کہ کسی صوبہ میں اقلیت بہت کم ہو تب اقلیت کو اس کی آبادی سے کسی قدر زیادہ حقوق دئے جا سکتے ہیں۔ اور اگر ایسا کیا جائے تو جو حقوق ہندو صوبوں میں مسلمانوں کو دئے جائیں۔ وہی حقوق ویسے ہی مسلمان صوبوں میں ہندوؤں کو دئے جائیں ÷

مطالبہ کا خلاصہ

اس مطالبہ کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ ہر بڑی قوم جو حساب میں آ سکتی ہے۔ اس کے حق کو جو اس کی تعداد آبادی کے مطابق بنتا ہو۔ محفوظ کر دیا جائے۔ تاکہ دوسری قومیں اپنی چالاکی سے اسے اس کے حق سے محروم نہ کر دیں ÷

نہرو رپورٹ کا فیصلہ

نہرو رپورٹ نے اس کے متعلق یہ فیصلہ کیا ہے۔ کہ یہ خیال عمدہ سیاست کے بالکل خلاف ہے۔ کہ کسی قوم کا حق مقرر کر دیا جائے زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے۔ کہ جو اقوام بہت ہی کم ہیں۔ ان کے حقوق مقرر کر دئے جائیں۔ اور حق سے زیادہ دینا تو کسی صورت میں بھی درست نہیں ÷

اس امر کو سمجھ لینا چاہئے۔ کہ حقوق کی حفاظت انتخاب سے تعلق رکھنے والے امور میں محفوظ نشستوں سے ہوتی ہے۔ یعنی یہ فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ کہ فیصدی کس قدر ممبریاں لازماً فلاں قوم کو ملیں گی۔ اور وہ جگہیں بھی مقرر کر دی جاتی ہیں۔ کہ جہاں سے اس قوم کے سوا کوئی اور ممبر منتخب نہیں ہو سکتا۔ پس حقوق مقرر کرنے سے مراد درحقیقت حلقہ ہائے انتخاب کی تعیین ہوتی ہے کہ اتنے حلقوں سے سوائے فلاں قوم کے امیدوار کے اور کوئی کھڑا نہیں ہو سکتا ÷

اب نہرو رپورٹ کے فیصلہ کے مطابق پنجاب اور بنگال کے سوا باقی صوبوں میں اگر اقلیتوں کی خواہش ہوگی۔ تو انہیں ان کی آبادی کی تعداد کے مطابق محفوظ نشستیں دیدی جائیں گی۔ پس اس قانون کے مطابق پنجاب اور بنگال میں تو اپنے اپنے زور سے جس قدر ممبریاں ہندو مسلمان لے جائیں لے جائیں۔ ان کی کوئی حد بندی نہیں ہوگی۔ اور باقی صوبوں میں سے صوبہ سرحدی بلوچستان اور سندھ اگر قائم ہو جائیں۔ تو ہندوؤں کو اختیار ہوگا۔ کہ اگر چاہیں۔ تو اپنی آبادی کے مطابق نشستوں کو ریزرو کرا لیں۔ اور اس سے زائد میں مسلمانوں کا مقابلہ کریں۔ اور ان صوبوں کے سوا باقی صوبوں میں یہی حق مسلمانوں کو حاصل ہوگا۔ گویا اس تجویز کے مطابق مسلم لیگ کے مطالبہ کا پورا کرنا تو الگ رہا۔ جو کچھ مسلمانوں کو پہلے مل رہا تھا وہ بھی ان سے چھین لیا گیا ہے مسلم لیگ تو یہ طلب کر رہی تھی کہ جو حق اب مسلمانوں کو مل رہا ہے۔ اسقدر حق مسلمانوں کے لئے محفوظ کر لیا جائے اور اس سے زائد نشستوں میں ہندوؤں کا مقابلہ کرنے کی مسلمانوں کو اجازت ہو اور یہی حق ان صوبوں میں ہندوؤں کو مل جائے۔ جنہیں مسلمانوں کی کثرت بہت زیادہ ہو۔ لیکن نہرو رپورٹ صرف اسقدر حق مسلمانوں کا رکھتی ہے۔ جو مسلمانوں کی آبادی کے لحاظ سے انہیں ملنا چاہیئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ مسلمان جو یوپی میں چودہ فی صدی ہیں۔ لیکن تیس فیصدی حق نیابت انہیں مل رہا ہے۔ آئندہ انہیں صرف پندرہ فیصدی کا حق حاصل ہوگا۔ اس سے زیادہ اگر وہ زور سے لے سکیں تو لے لیں۔ بہار میں مسلمان دس فیصدی سے بھی کم ہیں۔ لیکن اسوقت بیس فیصدی کے قریب حق لے رہے ہیں۔ آئندہ انہیں صرف دس فیصدی کا حق حاصل ہوگا۔ مدراس میں مسلمانوں کی آبادی چھ فیصدی کے قریب ہے۔ اور اسوقت انہیں حق نیابت بارہ فیصدی کے قریب ملا ہوا ہے۔ نہرو رپورٹ کی تجویز کے مطابق آئندہ وہاں مسلمانوں کو صرف چھ فیصدی حق حاصل ہوگا۔ آسام میں مسلمانوں کی تعداد اکیس فیصدی کے قریب ہے۔ لیکن کونسلوں میں انہیں اسوقت تیس فیصدی کا حق حاصل ہے۔ نہرو رپورٹ کے مطابق آئندہ انہیں صرف اکیس فیصدی نیابت کا حق حاصل ہوگا بمبئی جس میں مسلمانوں کی آبادی بیس فیصدی کے قریب ہے۔ لیکن حق نمائندگی ایک ثلث کے قریب انہیں حاصل ہے آئندہ صرف بیس فیصدی انہیں ملیگا غرض نہرو رپورٹ نے جو سفارش کی ہے۔ اس کے رو سے ہر صوبہ میں مسلمانوں کی نیابت نصف سے لیکر ایک تہائی تک کم ہو جائے گی اور اس کے مقابلہ میں جو کچھ ملا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ پنجاب اور بنگال میں اور دوسرے صوبوں میں سے جو کچھ مسلمان زور سے لے سکیں لے لیں ÷

ٹھال تک ادھیڑنے کا تہیہ

یہ تقسیم بالکل ایسی ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں۔ کہ ایک بخیل ہندو راجہ نے اپنے پروہت کو خوش ہو کر وہ گائے بخش دی تھی۔ جو ایک سال پہلے گم ہو چکی تھی۔ مگر اس کا لڑکا جو اس سے بھی زیادہ بخیل تھا۔ گھبرا کر بول اٹھا۔ کہ پتا جی وہ تو شاید یہ تلاش کر لے۔ اسے وہ گائے دیجئے۔ جو چار سال ہوئے مر گئی تھی کنسٹی ٹیوشن کمیٹی نے مسلمانوں کی جان نکالنے کی کوشش کی تھی۔ نہرو رپورٹ نے کھال تک ادھیڑنے کا تہیہ کیا ہے۔ مجھے تعجب ہے۔ کہ وہ مسلمان جو اس وقت اس رپورٹ کی تائید میں ہیں۔ وہ کیا سوچ کر تائید کر رہے ہیں۔ کیا وہ یہ نہیں دیکھتے۔ کہ جو کچھ واپس لیا گیا ہے۔ وہ تو ایک یقینی چیز ہے۔ آٹھ ہندو صوبوں میں جو مسلمانوں کو اس وقت حق حاصل تھا اس میں سے قریباً آدھا حق چھین لیا گیا ہے۔ یعنی کل ہندو صوبوں میں اس وقت مسلمانوں کو متفرقہ اوسط کے لحاظ سے چوبیس فیصدی کے قریب حق نیابت کا حاصل تھا۔ لیکن آئندہ صرف چودہ فیصدی کے قریب رہ جائیگا اور اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کو زیادہ کچھ دیا گیا ہے۔ جو بالکل وہمی اور خیالی ہے ÷

بہت بڑا دھوکا

کہا جاتا ہے۔ کہ یہ حق جو مسلمانوں کو دے دیا گیا ہے۔ کہ آئندہ مسلمان اپنے حق کے علاوہ جس قدر اور نشستوں کے لئے چاہیں گے۔ ہندوؤں کے مقابلہ پر کھڑے ہو سکیں گے۔ اس سے ان کے لئے راستہ کھول دیا گیا ہے۔ وہ اس کے ذریعہ سے ترقی کر سکتے ہیں۔ اور ہندوؤں سے اپنے حق سے زیادہ نشستیں چھین سکتے ہیں۔ یہ خیال بالکل دھوکا ہے۔ اور اس کی تائید میں جو باتیں پیش کی جاتی ہیں وہ یا جہالت پر یا کم عقلی پر یا دنیا کی تاریخ سے ناواقفی پر دلالت کرتی ہیں ÷

پہلی دلیل

سب سے پہلی دلیل جو میں اس خیال کے رد میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ وہ خود نہرو کمیٹی کی اپنی شہادت ہے۔ جیسا کہ میں اوپر بیان کر آیا ہوں۔ کہا جاتا ہے۔ کہ محفوظ نشستوں کے طریق کو چھوڑنے میں مسلمانوں کا فائدہ ہے۔ کیونکہ اس طرح وہ اپنے حق سے زیادہ لے لیں گے۔ نہرو کمیٹی بھی اس دلیل کو صحیح سمجھتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ ہم نے مسلمانوں پر یہ احسان کیا ہے۔ کہ انہیں آزاد مقابلہ کا حق دیکر ان کے لئے ترقی کا راستہ کھول دیا ہے۔ (نہرو رپورٹ ص ۳۳) لیکن عجیب بات ہے۔ کہ اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا ہے۔ کہ اقلیتوں کا کلی طور پر اپنے حق سے محروم ہو جانا بالکل ممکن ہے۔ نہرو رپورٹ بیان کرتی ہے۔

بیقاعدہ کانفرنس کے ریزولیوشن کے پاس ہونے کے بعد یہ بات ہمارے نوٹس میں لائی گئی ہے۔ کہ مسلمان اقلیتوں کو اس سے سخت نقصان پہونچیگا۔ جو کہ زیادہ سے زیادہ تیس یا چالیس ممبر تک مرکزی پارلیمنٹ کے لئے جس کے پانچسو ممبر ہونگے۔ بنگال اور پنجاب سے بھیج سکینگے اور شاذ ہی ایک یا دو یو۔پی اور بہار سے اور دوسرے صوبوں سے جن میں ان کی آبادی سات فیصدی سے بھی کم ہے۔ ان کا کسی ممبر کو بھیج سکنا قریباً ناممکن ہوگا۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان جو چوبیس فی صدی ہیں۔ انہیں صرف دس فی صدی نیابت مرکزی پارلیمنٹ میں حاصل ہوسکیگی۔ یہی دلیل کہا جاتا ہے۔ کہ ان صوبوں کے متعلق بھی چسپاں ہوتی ہے جن میں کہ مسلمانوں کی اقلیت تھوڑی ہے۔ ہم اس دلیل کی قوت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس امر کو دیکھکر حالات سے مجبور ہو گئے ہیں۔ کہ عارضی طور پر فرقہ وارانہ عنصر کو ملک کے انتخابی نظام میں داخل کریں۔۔۔۔۔ اور مسلمان اقلیتوں کے حق میں یہ استثنا کرتے ہیں۔ کہ اگر وہ چاہیں تو ان کے لئے نشستیں ان کی آبادی کے تناسب سے مرکزی اور صوبہ جات کی مجالس میں محفوظ کر دی جائیں۔" (نہرو رپورٹ ص ۵۱، ۵۲)

اس حوالہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نہرو رپورٹ کو یہ امر مسلم ہے۔ کہ (۱) پنجاب اور بنگال سے مسلمان حد سے حد چالیس ممبر مرکزی پارلیمنٹ میں بھیج سکیں گے۔ (۲) اقلیتیں مخلوط انتخاب میں خطرہ میں ہوتی ہیں۔ اور بالکل ممکن ہے۔ کہ سات فی صدی تک کی اقلیت ایک نمائندہ بھی نہ بھیج سکے۔

یہ اس رپورٹ کی شہادت ہے۔ جس کی تائید میں اس قدر شور کیا جا رہا ہے۔ یہ رپورٹ تسلیم کرتی ہے۔ کہ مخلوط انتخاب کی صورت میں اقلیت خطرہ میں ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ وہ یہ بھی تسلیم کرتی ہے۔ کہ ممکن ہے۔ مدراس۔ بمبئی۔ برما اور وسطی صوبجات میں مسلمان مرکزی پارلیمنٹ میں ایک نمائندہ بھی نہ بھیج سکیں۔ اور یو۔پی اور بہار سے جہاں سے آبادی کے لحاظ سے مسلمانوں کے نمائندے بائیس کے قریب جانے چاہئیں۔ وہ صرف دو تین نمائندے منتخب کرنے پر قادر ہو سکیں۔

نہرو رپورٹ میں مسلمانوں کی نمائندگی

میں اس وقت مخلوط انتخاب کی خوبی یا مضرت پر بحث نہیں کر رہا ہوں۔ میں صرف اس امر پر بحث کر رہا ہوں۔ کہ آیا نہرو کمیٹی کی رپورٹ کی تجاویز کے ذریعہ سے جس قدر نمائندگی مسلمان حاصل کرنا چاہتے تھے۔ حاصل ہو گئی ہے۔ یا کم سے کم جس قدر نمائندگی انہیں اس وقت حاصل ہے۔ وہ قائم رکھی گئی ہے۔ اور میں بتانا چاہتا ہوں کہ خود اسی رپورٹ کی بنا پر یہ امر ثابت ہے۔ کہ زیادہ نمائندگی کا ملنا تو الگ رہا۔ جو نمائندگی اس وقت مسلمانوں کو حاصل ہے۔ وہ بھی آئندہ انہیں حاصل نہ ہو سکیگی۔

اس حقیقت کے سمجھنے کے لئے یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہئیے۔ کہ اس وقت لیجسلیٹو اسمبلی میں مسلمانوں کو ساڑھے انتیس فی صدی حق نیابت حاصل ہے۔ آئندہ ہندوستانی پارلیمنٹ کے ممبروں کی تعداد نہرو کمیٹی نے پانچسو تجویز کی ہے۔ پس آبادی کے لحاظ سے مسلمانوں کو سوا سو نشستیں ملنی چاہئیں اور موجودہ حق جو انہیں حاصل ہے۔ اس کے رو سے ڈیڑھ سو نشستیں ملنی چاہئیں۔ کلکتہ مسلم لیگ کا اصل مطالبہ ایک تہائی کا تھا۔ پس اس کے رو سے ایک سو چھیاسٹھ ممبریاں مسلمانوں کو ملنی چاہئیں۔ اب میں دکھاتا ہوں۔ کہ نہرو کمیٹی کے اندازہ کے مطابق مسلمانوں کو کس قدر ممبریاں ملینگی:۔

نہرو کمیٹی اس امر کو تسلیم کرتی ہے۔ کہ پنجاب اور بنگال سے مسلمان تیس اور چالیس کے درمیان نشستیں انتخاب کے ذریعہ سے حاصل کر سکیں گے۔ ہم فرض کر لیتے ہیں۔ کہ جو بڑے سے بڑا اندازہ اس کا ہے مسلمان خوش قسمتی سے اسی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اور سمجھ لیتے ہیں۔ کہ پنجاب اور بنگال سے مسلمانوں کو چالیس نشستیں حاصل ہو جائیں گی۔

دوسرے مسلمان صوبے سندھ۔ صوبہ سرحدی اور بلوچستان کے متعلق بھی ہم فرض کر لیتے ہیں۔ کہ وہاں بھی ہندو مسلمانوں سے کوئی سیٹ چھین نہیں سکیں گے۔ اور مسلمان اپنا حق پورا وصول کر لیں گے۔ چونکہ ان تینوں صوبوں کی آبادی اکاسٹھ لاکھ چھبیس ہزار ہے جس میں پانچ فی صدی ہندو ہیں۔ پس کل مسلمان اٹھاون لاکھ باون ہزار ہوئے۔ اور ان کا حق نیابت گیارہ نشستیں ہوا۔ یو۔پی میں مسلمانوں کی تعداد اکہتر لاکھ ہے۔ بہار میں تینتیس لاکھ۔ آسام میں پندرہ لاکھ۔ مدراس میں پچیس لاکھ۔ وسطی صوبہ میں قریباً پانچ لاکھ۔ بمبئی میں قریباً بارہ لاکھ (سندھ کے علاوہ) برما کا حال مجھے معلوم نہیں۔ مگر غالباً زیادہ سے زیادہ پانچ لاکھ ہوگی۔ (کیونکہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں مسلمانوں کی تعداد تین لاکھ چھیالیس ہزار تھی) یہ کل آبادی ایک کروڑ اڑسٹھ لاکھ ہوتی ہے۔ اور اس پر مسلمانوں کو تینتیس ممبریوں کا حق حاصل ہوتا ہے۔ گویا سب کا مجموعہ چوراسی ممبریاں ہوتی ہیں۔ یہ خیال کرکے کہ انڈمان کورگ اجمیر مارواڑہ وغیرہ کو اس حساب میں شامل نہیں کیا گیا۔ اور بعض جگہ ہزاروں کی تعداد چھوڑ دی گئی ہے۔ تو ہم ایک کروڑ اڑسٹھ لاکھ کی بجائے ایک کروڑ چھہتر لاکھ فرض کر لیتے ہیں۔ اس صورت میں دو ممبر اور بڑھ جائیں گے۔ اور چھیاسی مسلمان منتخب ہو جائیں گے۔ یہ اعداد اپنی حقیقت کو خود ظاہر کر رہے ہیں۔ مسلم لیگ کا مطالبہ ایک سو چھیاسٹھ نشستوں کا تھا اس وقت گورنمنٹ نے جو حق دیا ہے۔ اس کے رو سے ڈیڑھ سو نشستیں مسلمانوں کو مل رہی ہیں۔ آبادی کے لحاظ سے سوا سو انہیں ملنی چاہئیں۔ نہرو رپورٹ کا اندازہ ہے۔ کہ ہمارے اصول کے مطابق چھیاسی نشستیں انہیں ملیں گی۔ خود ہی غور کر لو۔ کہ یہ تغیر مسلمانوں کو کہاں سے کہاں لیجائیگا۔

یاد رکھنا چاہئیے کہ نہرو رپورٹ ہندوؤں کی تیار کردہ ہے جو اپنا پورا زور اس امر پر لگا رہے ہیں۔ کہ مسلمانوں کو مطمئن کریں پس جب ان کا یہ اندازہ ہے تو دوسرے اندازے ان کے مقابلہ میں کہاں ٹھہر سکتے ہیں۔ یہ کہنا کہ مسلمان جن علاقوں میں کم ہیں ان میں اپنے مقرر کردہ حق سے زائد لیں گے۔ خود نہرو رپورٹ کے لکھنے والوں کی رائے کے خلاف ہے۔ کیونکہ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ

"ان صوبوں میں کہ جہاں مسلمان سات فی صدی سے بھی کم ہیں (بمبئی۔ مدراس وسطی صوبہ برما وغیرہ) وہاں اس امر کا کوئی احتمال نہیں۔ کہ ایک مسلمان بھی (مرکزی پارلیمنٹ کے لئے) منتخب ہو سکے" صفحہ ۵۱

اور یو۔پی اور بہار میں شاید ایک دو نشستیں حاصل کر لیں اب بھلا کوئی عقلمند بھی اس امر کو تسلیم کر سکتا ہے۔ کہ بمبئی مدراس۔ برما اور وسطی صوبہ کے سب کے سب مسلمان تو ایک مسلمان ممبر کا انتخاب بھی اپنے اپنے حلقہ سے نہ کر سکیں۔ لیکن محفوظ نشستوں پر جب ان کے ووٹ ختم ہو جائیں۔ تو پھر وہ ہندوؤں سے بھی ان کا حق چھیننے پر طیار ہو جائیں۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ ان صوبوں میں مسلمانوں کو محفوظ نشستیں انہی علاقوں میں دی جائیں گی۔ جہاں ان کی آبادی زیادہ ہوگی۔ اور ان کے اکثر ووٹ انہی ممبروں کے چننے پر خرچ ہو جائیں گے۔ اور شاید باقی صوبہ میں کل مسلمان ووٹوں میں سے دس پندرہ فی صدی ووٹ رہ جائیں تو کونسی عقل اس کو باور کر سکتی ہے۔ کہ سب کے سب ووٹ تو اپنا جائز حق بھی لینے پر قادر نہ تھے۔ لیکن بچے کھچے ووٹ ہندوؤں کا بھی جو نرانوے فی صدی ہونگے۔ حق چھین لیں گے۔ پس یہ امر ظاہر ہے۔ کہ جن صوبہ جات میں مسلمان کم ہیں۔ نہرو رپورٹ اندازہ کرتی ہے کہ وہاں مسلمان اپنے حق سے ہرگز زیادہ نیابت حاصل نہیں کر سکتے۔ باقی رہے پنجاب اور بنگال سو اس کا حال وہ خود ہی بتا چکے ہیں۔ کہ تیس چالیس نشستیں مسلمانوں کو ملیں گی حالانکہ آبادی کے لحاظ سے ان دونوں صوبوں سے مسلمانوں کو چوہتر نشستیں ملنی چاہئیں۔ خلاصہ یہ کہ نہرو رپورٹ کے اپنے بیان کے مطابق بھی بغیر محفوظ نشستوں کے مسلمانوں کا حق محفوظ نہیں ہے۔ اور دنیا کی

کوئی سیاست اس امر کو تسلیم نہ کرے گی۔ کہ آٹھ کروڑ آبادی کو اس کے حق سے محروم کر دیا جائے

دوسری دلیل

دوسری دلیل محفوظ نشستوں کی تائید میں یہ ہے کہ ہندوستان کی اقلیت اور اکثریت ایسی ہے۔ کہ جس کی بنیاد مذہب پر ہے۔ یورپ میں پارٹیوں کی بنیاد سیاست پر ہوتی ہے۔ اس لئے وہ تو روز بروز بدلتی رہتی ہے۔ لیکن یہ اس قدر جلد نہیں بدل سکتیں۔ پس اگر ایک قوم حاکم ہوگی۔ تو اس کے بدلنے کا احتمال ہی نہ ہوگا۔ اور خطرہ ہے۔ کہ وہ اپنے لمبے اور مسلسل دور حکومت میں دوسری قوم کو نقصان پہنچا دے مثلاً اس کی اقلیت کو اور بھی کم کرکے دکھائے۔ جیسا کہ یورپ میں ہوتا ہے۔ کہ حکومت میں غالب پارٹی دوسری پارٹی کی تعداد کو مردم شماری میں کم کرکے دکھا دیتی ہے یا انتخاب کے ایسے قاعدے تجویز کر دیتی ہے۔ کہ جن سے اس کی پارٹی کو فائدہ ہوتا ہے۔ اور دوسری پارٹی کو نقصان ہوتا ہے۔ پس ان خطرات سے کمزور پارٹیوں کو بچانے کے لئے ضروری ہے۔ کہ نشستوں کو محفوظ کر دیا جائے۔ تاکہ ایک دوسرے سے خطرہ نہ رہے اور یاد رکھو کہ جب تک دل ایک دوسرے سے خائف رہیں گے۔ ملک میں امن نہ ہوگا۔ پس محفوظ نشستوں کا طریق امن کے قیام کا ذریعہ ہے۔ نہ کہ اس کے مخالف۔ جب مسلمان یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کے حقوق کے اتلاف کا خوف ہے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ انہیں بنگال اور پنجاب میں بھی محفوظ نشستیں نہیں دی جاتیں بہرحال وہ ان صوبوں میں اپنا حق مانگتے ہیں۔ اس سے زیادہ تو نہیں مانگتے۔ پس ان کا حق دینے سے انکار کرنا ان کے دلوں میں اور شبہ پیدا کرتا ہے۔ کہ دال میں کچھ کالا کالا ضرور ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ نہرو رپورٹ خود تسلیم کر چکی ہے کہ مخلوط انتخاب سے قوموں کے حق مارے جاتے ہیں۔ اور اس نے انگلستان کی مثال بھی پیش کی ہے۔ کہ وہاں کنزرویٹو پارٹی تھوڑے ووٹوں سے حاکم ہو گئی۔ اور لیبر پارٹی زیادہ ووٹ لے کر بھی شکست کھا گئی۔ یہی سوال مسلمانوں کا ہے۔ کہ دو ہی بڑے صوبے ایسے ہیں جن میں ان کی آبادی زیادہ ہے۔ اگر ان علاقوں میں بھی یہی ہوتا رہا۔ کہ تھوڑے ووٹوں والے جیتتے رہے اور زیادہ ووٹوں والے محکوم رہے تو ان کے لئے مشکل پیش آ جائیگی۔

تیسری دلیل

تیسری دلیل پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کے لئے محفوظ نشستوں کا حق مقرر کرنے کے بارہ میں یہ ہے۔ کہ ہندوستان کے آٹھ بڑے صوبوں میں سے چھ صوبے ایسے ہیں کہ جن میں ہندو زیادہ ہیں۔ اور لازماً وہاں ہندو تہذیب اور تمدن کا رنگ غالب ہوگا۔ ہندوؤں کی زیادتی وہاں ایسی ہے۔ کہ مسلمان کبھی بھی حکومت پر قادر نہیں ہو سکتے۔ وہ دو ہی صوبے ہیں۔ کہ جن میں مسلمان زیادہ ہیں۔ لیکن ان میں مسلمانوں کی اکثریت ایسی نہیں۔ کہ یہ یقین کیا جائے۔ کہ مسلمان ہی ہمیشہ حاکم ہوں گے۔ اور اپنی روایات کے مطابق ترقی کر سکیں گے۔ پس مسلمان چاہتے ہیں۔ کہ ان دو صوبوں میں اس امر کا دروازہ کھلا رہے۔ کہ وہ اپنی روایات کے مطابق نشوونما پائیں۔ اور اس کی صورت سوائے محفوظ نشستوں کے اور کوئی نظر نہیں آتی۔

اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ جب نشستیں محفوظ نہ ہوں تو ایک قوم اپنے حق سے زیادہ بھی لے سکتی ہے۔ مگر یہ بھی تو ممکن ہے۔ کہ اپنے حق کو بھی کھو بیٹھے۔ اور جس وقت آبادی کا فرق اس قدر کم ہو۔ جیسا کہ پنجاب اور بنگال میں ہے۔ اور اقلیت ایسی مضبوط ہو۔ جیسے کہ ہندو ہیں۔ تو خطرہ اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ نہرو رپورٹ والے خود تسلیم کرتے ہیں کہ پنجاب میں مسلمانوں کی اقلیت ہو جانے کا خوف ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

"خواہ کچھ بھی ہو (پنجاب کے) مسلمان اس قدر نشستیں ضرور حاصل کر لیں گے۔ کہ اگر ان کی اکثریت نہ ہو تو کم سے کم ایسی مضبوط اقلیت ضرور ہوگی۔ جو اکثریت سے کچھ ہی کم ہو گی" صفحہ ۳۵

مسلمان یہی کہتے ہیں۔ کہ صرف دو صوبے ہیں جن میں ہماری اکثریت ہے۔ اور ہم اس خطرہ میں نہیں پڑنا چاہتے کہ ہماری اکثریت ایسی اقلیت ہو جائے کہ جو اکثریت سے کچھ ہی کم ہو۔

مسلمانوں کے اس قسم کے خیالات کا نہرو رپورٹ میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس میں لکھا ہے کہ

"مسلمان چونکہ سارے ہندوستان کو مدنظر رکھتے ہوئے اقلیت ہیں وہ خوف کرتے ہیں۔ کہ اکثریت انہیں دق نہ کرے۔ اور اس مشکل کو دور کرنے کے لئے انہوں نے ایک عجیب طریق ایجاد کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ کم سے کم بعض حصص ہندوستان میں وہ غالب رہیں ہم اس جگہ ان کے مطالبہ پر تنقید نہیں کرتے۔ اس موجودہ تفرقہ کے زمانہ میں ممکن ہے کہ مطالبہ کسی قدر جائز ہو۔ لیکن ہم یہ ضرور محسوس کرتے ہیں۔ کہ وہ ان اصول سے دور جا پڑا ہے۔ جن پر ہم نے اپنی سکیم کی بنیاد رکھی ہے۔ جب تک کہ یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ بہترین حفاظت کا ذریعہ یہی ہے۔ کہ ایک شخص خود حاکم بن بیٹھے" صفحہ ۲۹

کیا مسلمانوں کا مطالبہ خلاف انصاف ہے

نہرو کمیٹی کو یہ اعتراض ہے۔ کہ مسلمانوں کے اس مطالبہ کے یہ معنی ہیں۔ کہ اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت بغیر اس کے ہو ہی نہیں سکتی۔ کہ انہیں ہی حاکم بنا دیا جائے۔ اور چونکہ یہ بات ظاہر نظر میں ہی خلاف انصاف نظر آتی ہے۔ اس لئے گویا نہرو کمیٹی نے نتیجہ کو ایک ہی بات میں محصور کر کے مسلمانوں کے مطالبہ کو خلاف انصاف ثابت کیا ہے۔ مگر جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ نہرو کمیٹی نے مسلمانوں کے مطالبہ کے ایسے معنی لئے ہیں۔ جو کم سے کم ان کے سمجھدار طبقہ کے ذہن میں نہیں ہیں۔

مجھے یاد ہے۔ کہ شملہ اتحاد کانفرنس کے موقعہ پر بھی ایک ہندو ڈیلیگیٹ نے جنہیں ڈاکٹر صاحب ڈاکٹر صاحب کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ اور شائد اگر میں غلطی نہیں کرتا۔ تو وہ ڈاکٹر نند لعل صاحب بیرسٹر تھے۔ یہ ذکر کیا تھا۔ کہ یہ کیا تجویز ہوئی۔ کہ سی۔ پی میں ایک مسلمان کو کوئی ہندو مارے۔ اور پنجاب کا ایک مسلمان اگر اس کے بدلہ میں میرے منہ پر تھپڑ رسید کر دے۔ میں جہاں تک سمجھتا ہوں۔ یہ مفہوم مسلمانوں کے دل میں اس تجویز کا کبھی نہ تھا۔ قومی جرائم کی سزائیں باقی افراد قوم خواہ وہ جرم میں شریک ہوں۔ یا نہ ہوں۔ یقیناً شریک ہوتے ہیں۔ لیکن اس طرح بلا حد بندی سزائیں دینا یا بدلے لینا خلاف عقل و انصاف ہے۔ لیکن میں پوچھتا ہوں۔ کہ اگر بعض مسلمان ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہوتے دیکھ کر ہندو صاحبان سے یہ کہیں۔ کہ

"آپ بھی ہندوستان کی آزادی چاہتے ہیں اور ہم بھی چاہتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ بغیر ہماری مدد کے آپ کو یہ آزادی حاصل نہیں ہو سکتی۔ لیکن آپ یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ ہمارے آپ کے تعلقات ایک عرصہ سے اچھے نہیں ہیں۔ ہمیں شکایت ہے۔ کہ ہر شعبہ زندگی میں ہمارے حقوق تلف کر دئے گئے ہیں۔

پس اس کا علاج یہ کیوں نہ کریں۔ کہ چونکہ ہندوستان ایک براعظم کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کے اندر کئی ایسی زبانیں بولی جاتی ہیں جن میں سے بعض ایک دوسری سے اس قدر مختلف ہیں۔ کہ یورپ کی آزاد حکومتوں کی زبانیں بھی اس قدر مختلف نہیں۔ اور چونکہ ہندوستان کے بعض علاقوں میں آپ زیادہ ہیں اور بعض میں ہم۔ ہم اس امر پر راضی ہو جائیں کہ جس علاقہ میں کوئی قوم زیادہ ہے اسے غالب عنصر حکومت میں مل جائے۔ اس طرح ایک دوسرے پر اعتماد پیدا ہو جائیگا۔ ہر ایک قوم کہیگی۔ کہ جب دوسری قوم نے مجھ پر اعتماد کیا ہے۔ تو کیوں میں اس پر اعتبار نہ کروں۔ اور ٹھنڈے دل سے سب ہندوستان کی ترقی میں لگ جائیں گے"

تو اس میں کونسی بات خلاف عقل یا خلاف انصاف ہے۔ اس تجویز کے یہ معنی کیوں کئے جائیں۔ کہ سی۔ پی میں اگر کوئی ہندو مسلمان کو ماریگا۔ تو پنجاب کا مسلمان پنجاب کے ہندو کو ماریگا۔ یا اس کے الٹ ہوگا۔ اور اس طرح ڈر کر انصاف قائم ہو جائیگا۔ اصل مطالبہ کی غرض تو یہ ہے۔ کہ ہندو ہر جگہ مسلمان کو اپنے ماتحت رکھنا چاہتا ہے۔ جہاں حقیقتاً ماتحت نہیں رکھ سکتا۔ وہاں وہ ایسی تجویز کرتا ہے کہ اس کے غالب آنے کے لئے راستہ کھلا رہے مسلمان کے دلمیں قدرتاً اس پر شبہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب حکومت کا طریق یہ ہوگا۔ کہ ہندوستان صوبوں میں تقسیم کیا جائیگا۔ تو کیوں مجھے بھی ان صوبوں میں آزاد نشوونما کا موقع نہیں دیا جاتا جن میں کہ میری قوم زیادہ ہے۔ اور یہ شبہ اسے کسی نہ کسی مخفی سبب کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ اور گو یہ شبہ صحیح ہو یا نہ ہو مگر صلح کے راستہ میں ضرور روک ہوتا ہے۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کی اکثریت میں فرق

اس موقعہ پر یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ ہم نے صرف اسلامی اکثریت والے صوبوں میں تو ہر قوم کے لئے ترقی کا راستہ کھلا نہیں رکھا بلکہ ہم نے تو ہر صوبہ میں یہ راستہ کھلا رکھا ہے۔ کہ اکثریت پر اقلیت غالب آسکے۔ مگر میں پوچھتا ہوں۔ کہ کیا بنگال اور پنجاب کے سوا جن میں اسلامی اکثریت ہے۔ کوئی اور بڑا صوبہ ہے۔ جس میں حقول طور پر یہ امید کی جا سکے۔ کہ اقلیت اور اکثریت عام طور پر آپس میں جگہ بدلتی رہے گی؟ اگر نہیں۔ تو دونوں مثالوں میں مشابہت کیا ہوئی۔ پنجاب اور بنگال میں اقلیت ایسی طاقتور ہے۔ کہ اگر وہ اپنے علم مال اور انتظام کی زیادتی کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے حکومت پر قائم نہ ہو۔ تو کم سے کم وہ اکثریت کے ساتھ اپنی جگہ کا تبادلہ ضرور کرتی رہے گی لیکن مدراس بمبئی۔ سی۔ پی۔ یو۔ پی۔ بہار اور برما میں مسلمانوں کی اقلیت جو کہیں بھی پندرہ فیصدی سے زیادہ نہیں۔ ہمیشہ ہی اقلیت رہے گی۔ اور حکومت میں اسے کبھی بھی دخل حاصل نہ ہوگا۔ پس برابری تبھی ہوتی ہے۔ کہ پنجاب اور بنگال میں نشستیں محفوظ ہوں۔ اور اس طرح مسلمانوں کو بھی کہا جا سکے۔ کہ جس طرح ہندوؤں نے تم پر ان صوبوں میں اعتبار کیا ہے۔ تم بھی دوسرے صوبوں میں ان پر اعتبار کرو۔ اور دل سے ہر ایک قسم کے شکوک کو نکال دو۔

نہرو کمیٹی اس غالبیت کے اصول پر خاص زور دیتی ہے۔ وہ لکھتی ہے۔ کہ:-

”ہم ایک قوم کا دوسری پر دائمی طور پر تسلط نہیں دیکھ سکتے۔ ہم اس امر کو کلی طور پر روک نہیں سکتے۔ لیکن ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم دیکھیں۔ کہ ایک قوم کو دوسری پر تسلط کا موقعہ نہ دے دیا جائے۔ بلکہ ہر ایک فرد یا قوم کو اس سے روکا جائے۔ کہ وہ دوسرے فرد یا دوسری قوم کو تکلیف نہ دے۔ اور اس سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے“ (صفحہ ۲۹)

مگر سوال یہ ہے۔ کہ کیا اس نے اس تسلط کو روک دیا ہے۔ مدراس بہار وغیرہ میں نہرو رپورٹ خود تسلیم کرتی ہے۔ کہ ہندوؤں کو غلبہ رہیگا اور مسلمانوں کی اقلیت وہاں ”ناقابل التفات“ ہے۔ اور اس میں لکھا ہے۔ کہ

”یہ بات ہر ایک سمجھ لے گا۔ کہ مسلمان اقلیتوں کے حق میں یہ رعایت کر کے (یعنی بہار۔ یو۔ پی۔ مدراس وغیرہ میں نشستیں محفوظ کر کے) ہم وہ نقائص پیدا نہیں کر رہے جو اکثریت کے لئے محفوظ نشستوں کا قاعدہ جاری کرنے کی صورت میں پیدا ہونے تھے۔ کیونکہ ایک اقلیت (یعنی اس قسم کی چھوٹی اقلیت) بہر حال اقلیت ہی رہیگی۔ خواہ اس کے لئے بعض نشستیں محفوظ کر دی گئی ہوں یا نہ کی گئی ہوں۔ اور کسی صورت میں بھی اکثریت پر غالب نہیں آسکتی“ (صفحہ ۵۳)

اس حوالہ سے ظاہر ہے۔ کہ نہرو کمیٹی کے نزدیک بمبئی۔ مدراس۔ یو۔ پی وغیرہ صوبہ جات میں مسلمان ہمیشہ اقلیت ہی کی صورت میں رہیں گے۔ جس کے دوسرے معنی یہ ہیں۔ کہ ان صوبوں میں ہمیشہ حکومت ہندوؤں کے ہاتھ میں رہے گی۔ اور اسی کا نام انھوں نے تسلط رکھا ہے۔ پس جبکہ اس قسم کا تسلط دوسرے صوبوں میں ہوگا اور اس سے کوئی نقص واقعہ نہ ہوگا۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ ویسی ہی حالت پنجاب اور بنگال میں نہ پیدا کر دی جائے۔ اگر ہمیشہ ایک قوم کا نیابت میں زیادہ ہونا بُرا ہے۔ تو وہ سب جگہ بُرا ہے۔ اور اگر اس کی بمبئی اور مدراس میں برداشت کی جا سکتی ہے۔ تو یقیناً پنجاب اور بنگال میں بھی برداشت کی جا سکتی ہے۔

مسلمانوں کا مطالبہ سمجھنے میں غلطی

اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے۔ کہ مسلمانوں کے مطالبہ کے سمجھنے میں نہرو کمیٹی نے ایک اور سخت غلطی کھائی ہے۔ اور وہ فرقہ وارانہ جذبات میں خود ایسے مبتلا رہے ہیں۔ کہ انھوں نے مسلمانوں کے مطالبہ کو بھی اسی رنگ میں دیکھا ہے۔ وہ غلطی یہ ہے۔ کہ نہرو کمیٹی نے یہ سمجھا ہے۔ کہ مسلمانوں کا گویا یہ مطالبہ ہے۔ کہ وہ اکیلے ہی پنجاب اور بنگال میں حکومت کریں۔ یہ مسلمانوں کا مطالبہ نہیں۔ ان کا مطالبہ یہ ہے۔ کہ جس طرح ہندوستان کے بعض دوسرے صوبوں میں جہاں ہندو زیادہ ہیں۔ آئینی مجالس میں نیابت لازماً ہندوؤں کی زیادہ رہے گی۔ اسی طرح پنجاب اور بنگال میں جہاں مسلمان زیادہ ہیں۔ نیابت کی زیادتی مسلمانوں کو حاصل ہونی چاہیئے۔ اور چونکہ ان علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت اس قدر نہیں کہ وہ بغیر کسی خاص قانون کے اپنی اکثریت کو قائم رکھ سکیں۔ اس لئے یہ قانون کر دیا جائے۔ کہ یہ حق ان کا دوسرے جائز یا ناجائز ذرائع سے توڑ نہیں دیا جائیگا۔

ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے۔ کہ اس میں تسلط کا سوال نہیں ہے۔ تسلط کا سوال تب ہوتا۔ اگر مسلمان یہ مطالبہ کرتے۔ کہ ہندو اکثریت والے صوبوں میں ہندوؤں کی حکومت ہو۔ اور مسلمان اکثریت والے صوبوں میں مسلمانوں کی حکومت ہو۔ لیکن ان کا مطالبہ تو یہ ہے۔ کہ ہندو اکثریت والے صوبوں میں ہندوؤں کی نیابت جس طرح ہمیشہ زیادہ رہے گی۔ اسی طرح مسلمان اکثریت والے صوبوں میں مسلمانوں کی نیابت زیادہ رہے۔ اور نیابت کی زیادتی کے یہ معنی نہیں۔ کہ حکومت بھی خالص طور پر ان کے ہاتھ میں رہے۔ اسی وقت دیکھ لو۔ کہ جداگانہ انتخاب کی موجودگی میں جس کے ذمہ دُنیا کے سب عیب لگائے جاتے ہیں۔ پنجاب میں خالص اسلامی پارٹی کوئی نہیں ہے۔ ایک زمیندار پارٹی ہے۔ جس میں مسلمان اور ہندو شامل ہیں۔ اور ایک خلافتی پارٹی ہے۔ جو سوراجیوں سے ملکر کام کرتی ہے پس پنجاب اور بنگال میں صرف چھ فیصدی مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملا کر ہندو بآسانی حکومت میں ایک بڑا حصہ لے سکتے ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ مسلمان اور ہندو آپس میں ملیں گے کیونکر جبکہ مذہبی نیابت کو جاری رکھا جائیگا۔ کیونکہ مذہب سیاست کا نام نہیں۔ مذہب کا تعلق تمدن اور تہذیب سے ہے۔ سیاسی معاملات میں مختلف مذاہب کے لوگ خود مل جاتے ہیں۔ اگر اس وقت ایسے شدید اختلاف کے باوجود مل جاتے ہیں۔ تو آئندہ کیوں نہ ملیں گے۔ کونسی عقل یہ تجویز کر سکتی ہے۔ کہ مسلمان سب کے سب سیاست میں ایک خیال کے رہیں گے۔ اور اگر وہ ایک خیال کے نہیں رہیں گے۔ تو پارٹیوں کے بننے پر یقیناً کوئی خالص اسلامی پارٹی پنجاب اور بنگال میں حکومت نہیں کر سکے گی۔ بلکہ حکومت کے لئے ہندو عنصر کی شمولیت ضروری ہوگی۔ پس ڈومینیشن کا سوال ہرگز یہاں پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اور نہرو کمیٹی نے فرقہ وارانہ خیالات سے شدید متاثر ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی طرف وہ بات منسوب کر دی ہے جو ان کے مطالبہ میں شامل نہیں۔ بلکہ خود نہرو کمیٹی کے ممبروں کے دماغ سے نکلی ہے۔ حق یہ ہے۔ کہ تسلط تو ہندو اکثریت والے صوبوں میں ہو سکتا ہے۔ اور ہوگا۔ کیونکہ وہاں اکثریت اس قدر زیادہ ہے کہ ہندوؤں کی کئی پارٹیاں ہو کر بھی غالب گمان ہے۔ کہ کوئی خالص ہندو پارٹی ہی حکومت کیا کرے گی۔ ہاں صوبہ سرحدی اور سندھ وغیرہ میں مسلمانوں کو بھی یہ موقعہ حاصل ہوگا۔ مگر وہ صوبے بالکل چھوٹے ہیں۔ اور ہندوستان کے عام معاملات پر کوئی زیادہ اثر نہیں ڈال سکتے۔

چوتھی دلیل

اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کا نیابت کی اکثریت پر زور دینا اور بہت سی معقول دلائل سے بھی ضروری ثابت ہوتا ہے۔ میں یہ تو ثابت کر چکا ہوں۔ کہ بنگال اور پنجاب میں مسلمانوں کی اس قدر اکثریت نہیں۔ کہ ان کے حقوق محفوظ ہو جانے پر بھی وہ اکیلے حکومت کر سکیں۔ بلکہ ان دونوں صوبوں میں یقیناً ایسی پارٹیاں حکومت کریں گی۔ جن میں ایک حد تک ہندو عنصر شامل ہوگا۔ مگر باوجود اس کے اس میں بھی کوئی شک نہیں۔ کہ چونکہ مسلمانوں کو نیابت میں کثرت حاصل ہوگی۔ جو حکومت بھی ان صوبوں میں قائم ہوگی اس میں ایک کافی حصہ اسلامی عنصر کا ہوگا جسے ان صوبوں کی آئندہ حکومت کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کر سکے گی۔ اس امر کی وضاحت کے بعد اب یہ سوچنا چاہیئے۔ کہ فرقہ وارانہ خیالات کو جانے دو۔ قومی نقطۂ نگاہ سے کیا یہ بات ملک کے لئے مفید ہو سکتی ہے۔ کہ ملک کے اداری (administrative) حصہ میں مسلمانوں کی آواز بالکل نہ ہو۔ یا ایسی کم ہو۔ کہ نہ ہونے کے برابر ہو۔ کونسا سیاست کا طالب علم نہیں جانتا۔ کہ عمدہ حکومت عمدہ قانونوں پر ہی نہیں چلتی بلکہ قوانین کے اچھے استعمال کی بھی ویسی ہی ضرورت ہوتی ہے اب یہ ظاہر ہے۔ کہ ہندوستان جس کی حکومت صوبوں میں تقسیم ہوگی جس طرح اس کے لئے ایک مرکزی مجلس قوانین کی ضرورت ہوگی۔ اسی طرح اس کے لئے یہ بھی ضروری ہوگا۔ کہ اس کی صوبہ جات کی حکومتیں اداری ضرورتوں کے لئے ”وقتاً فوقتاً“ مشورے کیا کریں نہرو کمیٹی کے رو سے بالکل ممکن ہے۔ کہ کسی وقت پنجاب اور بنگال میں مسلمان ہی حاکم ہوں۔ اور کسی وقت ہندو ہی حاکم ہوں۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ جس وقت ہندو ہی حاکم ہوں گے۔ اس وقت اگر کٹھے مشوروں میں مسلمانوں کی آواز کیا ہوگی۔ یقیناً کوئی تسلیم نہیں کر سکتا کہ سرحد اور سندھ کے چھوٹے چھوٹے صوبے اس ضرورت کو پورا کر سکیں گے۔ پس قومی نقطۂ نگاہ سے بھی یہ ضروری ہے۔ کہ پنجاب اور ہندوستان کے لئے ایسا قانون بنایا جائے۔ کہ یہاں کی ہر حکومت میں اسلامی عنصر موجود رہے۔ اور اس کی صرف یہی صورت ہے۔ کہ ان صوبوں میں مسلمانوں کا حق نیابت محفوظ کر دیا جائے۔

پانچویں دلیل

میں اس اہم معاملہ کے متعلق ایک اور دلیل بھی دیتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ نہرو کمیٹی نے بھی اس امر کو تسلیم کیا ہے۔ کہ ہر قوم کی تہذیب جداگانہ ہوتی ہے۔ اور ہر قوم اپنی روایات کے مطابق ترقی کرنے کی خواہش رکھتی ہے۔ اور باوجود ایک ملک میں رہنے وہ ایک سیاست میں پروئے جانے کے پھر آپس میں تہذیب کے بارے میں اختلاف ہوتا ہے۔ نہرو رپورٹ میں لکھا ہے

"حفاظت کا احساس پیدا کرنے کے ذرائع صرف یہ ہیں۔ کہ حفاظتی تدابیر اور کفالتوں کے ساتھ بہ حد ممکن کسی قوم کو تہذیبی آزادی عطا کی جائے۔" (صفحہ ۲۸)

پس معلوم ہوا۔ کہ نہرو کمیٹی کو تسلیم ہے۔ کہ مختلف اقوام کی تہذیب جداگانہ ہوتی ہے۔ اور اس کی حفاظت کا مطالبہ غیر معقول نہیں اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ مسلمانوں کو علاوہ اطمینان اور اعتبار کی صورت پیدا کرنے کے اداری محکموں میں اپنی آواز کی نیابت کے حصول کے علاوہ صوبہ جات میں اپنی تعداد کے مطابق نیابت کے حصول کی خواہش کے یہ بھی خواہش ہے۔ کہ ان دو صوبوں میں جن میں ان کی اکثریت ہے۔ وہ اسلامی روایات کے مطابق اپنی مخصوص تہذیب کو نشوونما دیں مجھے اس امر پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ کہ ہر قوم جب ترقی کرتی ہے۔ تو چند اصولی مسائل پر اس کی تہذیب کی بنیاد پڑتی ہے۔ اور وہ اپنی روایات اور ترقی کی راہوں میں دوسری اقوام سے ایک جداگانہ صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اسے انگریزی میں کلچر کہتے ہیں۔ اور اردو میں تہذیب ہی کہہ سکتے ہیں۔ گو تہذیب کا لفظ اس جگہ سویلیزیشن سے کسی قدر جداگانہ معنوں میں استعمال ہوگا۔ یہ کلچر قوموں کو سیاسی آزادی سے بھی زیادہ مرغوب ہوتی ہے۔ اور جس قدر وہ اس کی حفاظت کے لئے لڑتی ہیں۔ اتنی سیاسیات کے لئے بھی نہیں لڑتیں۔ یہ کلچر ایک ہیولیٰ کی سی چیز ہے۔ اسے مادی اشیاء کی طرح معین بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہر قوم اپنے مذہب کے سبب سے یا اپنے گردوپیش کے حالات کے سبب سے ایک خاص قسم کا دماغی میلان پیدا کر لیتی ہے۔ اور اس کی تمام ترقی اسی لائن پر ہوتی ہے۔ اس کا فلسفہ۔ اس کا تمدن۔ اس کی علمی ترقی۔ اس کی اقتصادی ترقی اسی دائرہ میں چکر کھاتی ہوئی اپنے وجود کو نمایاں کرتی چلی جاتی ہے گویا وہ ذہنی زمین ہے۔ جس پر اگنے والا ہر علم پودوں کی طرح ایک خاص رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ جس طرح مختلف زمینوں میں مختلف پھل پھول ایک امتیازی صورت پیدا کر لیتے ہیں۔ اسی طرح مختلف کلچرز کے ماتحت نشوونما پانیوالے ایک خاص رنگ اور ادا پیدا کر لیتے ہیں۔ اور قوموں کو اپنی کلچر سے ایک ایسی طبعی مناسبت ہو جاتی ہے۔ کہ اس سے باہر جا کر وہ اسی طرح مرجھا جاتی ہیں۔ جس طرح کہ ایک خاص ملک کا درخت دوسرے ملک کی زمین میں لگا یا جا کر۔ تمام علوم ایک ہی ہیں۔ لیکن انگریزوں اور فرانسیسیوں اور روسیوں اور جرمنوں کو دیکھو ان میں سے ہر ایک انکی طرف ایک خاص امتیازی رنگ میں متوجہ ہوتا ہے۔ ہندوستانیوں کو بھی سب سے بڑی شکایت یہی ہے۔ کہ انگریزوں نے مغربیت سے ہمارے مشرقی اخلاق کو رنگ کر ہمیں کہیں کا نہیں رکھا۔ غرض یہ تہذیب مذہب کے بعد ہر اک شے سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ کلچر ہر قوم کے جسم کے لئے زندگی کے سانس کا کام دیتی ہے۔ جس قوم کی کوئی مخصوص کلچر نہیں۔ اس کی کوئی زندگی ہی نہیں۔ وہ آج نہیں تو کل دوسری اقوام میں جذب ہو کر اپنے وجود کو کھو بیٹھے گی۔ کیونکہ وہ مفید وجود نہیں۔ جس طرح مختلف لیبارٹریز میں بیٹھے مختلف سائنس دان اپنے اپنے رنگ میں علوم کو فائدہ پہونچاتے ہیں۔ اسی طرح مختلف اقوام اپنی کلچر کے دائرہ میں انسانی حیات کے فلسفہ کے تجربے کر کے دنیا کو نفع پہونچاتے ہوئے۔ اور اس کے نقطہ نگاہ کو پورا کرتے ہوئے اپنی کلچر کو بھی ترقی دے رہی ہیں۔ جو قوم اس مشترک خزانہ کے بڑھانے میں حصہ نہیں لیتی۔ وہ اخلاقاً تو مردہ ہی ہوتی ہے۔ مادی طور پر بھی آخر مر کر ہی رہتی ہے۔

ہندو صاحبان کو جو آج حکومت کا خیال ہے۔ وہ بھی تو اسی کلچر کی وجہ سے ہے۔ "اچھی حکومت اپنی حکومت کا قائم مقام نہیں ہو سکتی" کا مقولہ بھی درحقیقت اسی صداقت پر مشتمل ہے۔ کیونکہ اچھی حکومت مال اور آرام کو تو بڑھا دیگی۔ مگر وہ کسی قوم کی کلچر کو نہیں بڑھا سکتی۔ بلکہ اسے تباہ کر دے گی۔ کلچر کی ترقی کا موجب صرف اپنی حکومت ہی ہوتی ہے۔ پس جس طرح ہندو صاحبان اپنی پرانی تاریخ کو پڑھ کر بے چین ہو جاتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ زمانہ حال کی مناسبت میں وہ اپنی مخصوص کلچر کو نشوونما دیں۔ اور دنیا کے تمدن اور تہذیب میں زیادتی کا موجب ہوں۔ اسی طرح وہ سمجھ لیں۔ کہ مسلمانوں کا دل بھی ہے۔ وہ بھی ایک شاندار روائت رکھتے ہیں۔ وہ بھی ایسے آباء کی اولاد ہیں جن میں اقدام کا مادہ انتہا درجہ کو پہونچا ہوا تھا۔ ان کی بھی امنگیں ہیں۔ وہ ہندوستان سے علیحدہ نہیں۔ وہ ہندوستانی ہیں۔ اور کسی سے کم ہندوستانی نہیں۔ لیکن اس میں کیا شک ہے۔ کہ جہاں ہندو عنصر زیادہ ہوگا۔ وہاں حکومت ہندو کلچر اور ہندو فلسفہ پر نشوونما پائے گی۔ پس وہ بھی چاہتے ہیں۔ کہ بعض صوبوں میں جن میں وہ زیادہ ہیں۔ انھیں بھی اس امر کا موقع ہے۔ کہ وہ اسلامی کلچر اور تہذیب کے مطابق نشوونما پائیں۔ میرا یہ مطلب نہیں۔ کہ اسلام کے احکام کو وہ جاری کریں۔ ایسی مخلوط حکومتوں میں اپنے مذہب کے احکام جاری کرنا درست نہیں۔ نہ ہندوؤں کے لئے نہ مسلمانوں کے لئے۔ مگر اس کے علاوہ زندگی کے ہزاروں شعبے ہیں۔ جن میں قطع نظر مذہب کے انسان اپنے مخصوص قومی فلسفہ کے مطابق ترقی کرنی چاہتا ہے۔ اور دنیوی ترقی کے متعلق جو اس کی قوم کی سکیم ہوتی ہے۔ اس کی پیشی لگاتا ہے۔ اور پھر اس سے باغ تیار کرتا ہے۔ پس اس چیز کی جائز امنگ اور خواہش مسلمانوں کو مجبور کرتی ہے۔ کہ وہ بھی دو بڑے صوبوں میں ایسا موقع پائیں کہ ایک عرصہ تک بلا دقت کے وہ اپنے مخصوص قومی اصول پر ترقی کرنے کی راہ پا سکیں۔ کیا یہ مطالبہ ناجائز ہے۔ کیا یہ خواہش غیر طبعی ہے یا کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ آرزو قومیت کی روح کے منافی ہے؟

نہیں۔ ہرگز نہیں۔ آزاد کلچر متحدہ قومیت کو ہرگز نقصان نہیں پہنچاتی جس طرح ہندوستان کی ڈومینین حکومت انگلستان کو نقصان نہیں پہونچائیگی۔ باوجود اس کے کہ وہ ایشیائی کلچر کے نشوونما دینے میں ایک بہت بڑی لیباریٹری ثابت ہوگی۔ افسوس ہے۔ کہ نہرو رپورٹ خواہ اور کچھ بھی ہو۔ مسلمانوں کی اس خواہش کا علاج مہیا نہیں کرتی۔ وہ خواہ اس کا دروازہ کھولتی ہے۔ کہ کبھی مسلمان پنجاب اور بنگال میں ہندوؤں پر بالکل غالب آ جائیں۔ مگر اس کا انتظام نہیں کرتی کہ انھیں ایک عرصہ تک اس امر کا موقعہ ملے۔ کہ اپنی روایات کے مطابق عمل کر کے دنیا کی تہذیب کے مجموعی خزانہ میں اپنا حصہ بھی شامل کر سکیں۔ کیونکہ کلچر بغیر متواتر موقعہ پانے کے اپنے آثار ظاہر نہیں کرتی اور نہرو سکیم کے ماتحت پنجاب اور بنگال میں ایسے مواقع آ سکتے ہیں۔ کہ اسلامی عنصر حکومت سے نکل ہی جائے۔

چھٹی دلیل

پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کے حق کے بقدر آبادی محفوظ رہنے کے حق میں یہ بھی ایک دلیل ہے۔ کہ ہر قوم کی ترقی کے لئے اس کے افراد کا تمام کاموں سے واقف ہونا بھی ضروری ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ہندو صوبوں میں مسلمانوں کی اعلے سیاسی عہدوں کے لئے تربیت نہیں ہو سکتی۔ ان کے لئے پنجاب اور بنگال ہی رہ جاتے ہیں کہ یہی دو اہم صوبے مسلمانوں کی اکثریت کے ہیں۔ اگر ان میں بھی ایسی حکومت آتی رہی۔ جو خالص ہندو ہو۔ یا اس میں مسلمانوں کا عنصر بہت کم ہو۔ تو مسلمانوں کے لئے ان اعلے کاموں کے لئے تربیت کا دروازہ بالکل ہی بند ہو جائیگا۔ جس سے انھیں سخت نقصان پہونچنے کا احتمال ہے۔ صوبہ سرحدی اور سندھ اور بلوچستان کو پیش نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ بلوچستان کی آبادی تو سوا چار لاکھ ہے۔ اور گویا ایک میونسپل کمیٹی کے برابر اس کی حیثیت ہے۔ صوبہ سرحدی اور سندھ بھی آبادی کے لحاظ سے اور مالی طور پر نہایت کمزور ہیں پس ان صوبوں میں اس پیمانہ پر حکومت کو وسعت حاصل نہ ہوگی۔ جو بڑے صوبوں میں۔ اور مختلف لیاقتوں کے اپنی قدر کے مطابق نشوونما پانے کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ مسلمانوں کو کم سے کم اسقدر عرصہ تک کہ وہ اپنی گذشتہ کمزوری دور کر لیں۔ متواتر تربیت کا موقع دیا جائے۔ اور وہ اسی طرح ہو سکتا ہے۔ کہ پنجاب اور بنگال میں ان کے حقوق محفوظ ہوں۔ اگر یہ انتظام نہ ہوا۔ تو مسلمان کبھی بھی حکومت کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہ ہونگے۔ اور ملک کے لئے قوت بننے کی بجائے اس پر ایک بار بن جائیں گے۔

محفوظ حقوق کے خلاف نہرو رپورٹ کے دلائل

ان دلائل کے بیان کرنے کے بعد جن سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ مسلمانوں کے حقوق پنجاب اور بنگال میں بھی ویسے ہی محفوظ ہونے چاہئیں جیسے کہ ان صوبوں میں۔ جن میں کہ مسلمان بہت کم ہیں۔ ہندوؤں کے حقوق بوجہ ان کی عظیم الشان اکثریت کے محفوظ ہونگے۔ اب میں نہرو رپورٹ کے ان دلائل کو توڑتا ہوں۔ جو محفوظ حقوق کے خلاف دئے گئے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

(۱) میجارٹی کے حقوق کی حفاظت اور نشستوں کے محفوظ کر دینے سے فرقہ وارانہ منافرت ترقی کرتی ہے۔ کیونکہ انتخابی نقطہ ایک غیر حقیقی سوال ہوتا ہے۔ (یعنے مذہب کا اختلاف)

(۲) مخلوط انتخاب کے ساتھ اگر اکثریت کی نشستوں کو محفوظ کر دیا جائے تو اتفاق کا پیدا ہونا مشکل ہے۔ کیونکہ اکثریت کو یقین ہو جائے گا۔ کہ وہ اقلیت کے ووٹوں کی محتاج نہیں۔ اور اس کی طرف توجہ نہیں کریگی۔

۳۔ حکومت مسئولی (رسپانسیبل گورنمنٹ) اسے کہتے ہیں۔ جس میں حکومت تنفیذی (ایگزکٹو) مجلس واضع قوانین کے سامنے جوابدہ ہوتی ہے۔ اور مجلس واضع قوانین جماعت منتخبین (الیکٹوریٹ) کے سامنے جوابدہ ہوتی ہے۔ اگر حکومت تنفیذی کے کل ممبر جن کی پشت پر اکثریت ہو۔ محفوظ حقوق کی وجہ سے باختیار ہوئے ہوں۔ نہ کہ منتخبین کے بے قید انتخاب کے ماتحت۔ تو اس صورت میں نہ تو جمہور کی نیابت حاصل ہوئی۔ اور نہ کوئی مسئولی حکومت قائم ہوئی۔

۴۔ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی آبادی اس طرح تقسیم شدہ ہے۔ کہ محفوظ نشستوں کی انہیں ضرورت نہیں۔ وہ اپنی تعداد کے مطابق اپنے حقوق اچھی طرح حاصل کر سکتے ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ اس کے ساتھ ہی میں اس دلیل کو بھی شامل کر لیتا ہوں۔ جو ہمارے صوبہ کے ایک قابل قدر ممبر کونسل نے دی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ڈسٹرکٹ بورڈوں کے انتخاب میں باوجود اس کے کہ مسلمان ووٹر کم تھے۔ وہ بہت زیادہ ممبریاں لے گئے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو آزاد مقابلہ میں زیادہ فائدہ رہیگا۔

نہرو کمیٹی کی پہلی دلیل کا ردّ

کمیٹی کی پہلی دلیل یہ ہے۔ کہ چونکہ محفوظ نشستوں میں انتخابی نقطہ ایک غیر حقیقی سوال یعنی مذہب ہوتا ہے۔ اس لئے فرقہ وارانہ منافرت بڑھتی ہے۔ میں اس دلیل کے سمجھنے سے قاصر ہوں۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ جس جگہ نشست ایک خاص قوم کے لئے محفوظ ہوگی وہاں انتخاب کا مرکز قومی سوال کیونکر ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں تو قومی سوال پہلے ہی حل ہو چکا ہوگا۔ قانون فیصلہ کر چکا ہوگا۔ کہ فلاں جگہ سے مسلمان ممبر ہی کھڑا ہو سکتا ہے۔ پس یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی ممبر ایسے حلقہ سے کھڑا ہو کر یہ کہے۔ کہ مجھے ووٹ دو۔ کیونکہ میں مسلمان ہوں۔ یہ سوال تو غیر محفوظ نشستوں میں پیدا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایسے حلقوں میں ممکن ہے۔ کہ ایک ہندو امیدوار ہو۔ اور ایک مسلمان۔ اور ہندو اپنی قوم کو یہ کہے۔ کہ میں ہندو ہوں مجھے ووٹ دو۔ اور مسلمان کہے۔ کہ میں مسلمان ہوں۔ مجھے ووٹ دو۔ لیکن جس جگہ قانون مذہب کا فیصلہ کر چکا ہو۔ وہاں تو یہ سوال اٹھ ہی نہیں سکتا۔ وہاں تو سوال یا فرقہ کا اٹھ سکتا ہے کہ امیدوار سنی ہے یا شیعہ یا پھر سیاسی نقطہ نگاہ کا سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ مختلف امیدواروں کے سیاسی خیالات کیا ہیں۔ اور یہ یقینی بات ہے کہ محفوظ نشست کی صورت میں اسی سوال کو انتخاب میں اہمیت حاصل ہوگی۔ اور اگر بجائے جداگانہ انتخاب کے مخلوط انتخاب ہو۔ تو اس صورت میں تو اور بھی یقین ہو جاتا ہے۔ کہ سوائے سیاسی سوال کے کوئی اور سوال نہ اٹھیگا۔ کیونکہ مختلف ممبروں کو ہندوؤں کے ووٹوں کی بھی ضرورت ہوگی۔ پس وہ مجبور ہونگے۔ کہ مذہبی سوال کو درمیان میں نہ آنے دیں۔ تاکہ ان کا مدمقابل دوسری قوموں کے ووٹوں سے نفع نہ پا سکے۔

دوسرے یہ بھی خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ انتخابوں میں ایک ہی امیدوار نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ کئی امیدوار ہوتے ہیں۔ پس یہ خیال کرنا کہ جو کھڑا ہوگا۔ وہ اسلامی امیدوار ہونے کی صورت میں کھڑا ہوگا اور اس طرح قومی منافرت بڑھے گی۔ درست نہیں۔ کیونکہ ایک ہی وقت میں کئی امیدوار کھڑے ہو کر سب یہی دعوے نہیں کر سکتے۔ کہ وہ مسلمان ہیں۔ اس لئے انہیں ووٹ دیا جائے۔ انہیں دوسرے امور پیش کرنے ہونگے۔ اور وہ سیاسی ہونگے۔ اور اگر یہ کہا جائے۔ کہ ممکن ہے کہ کوئی امیدوار بھی ایسا نہ ہو۔ جو ہندو نقطہ نگاہ کے ساتھ متفق ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جس جگہ ایک شخص بھی مسلمانوں میں سے ایسا نہ ہوگا۔ جو سیاسی خیالات میں وہاں کے ہندوؤں سے متفق ہو۔ تو یہ کس طرح امید کی جا سکتی ہے۔ کہ وہاں سے اگر ہندو کھڑا ہو۔ تو اُسے مسلمان جائز طور پر ووٹ دیدینگے۔ ہمیں جائز کی شرط اس لئے لگائی ہے۔ کہ ووٹنگ مخفی ہوتا ہے۔ اس لئے یہ بالکل ممکن ہے کہ ناجائز ذرائع سے مسلمانوں سے ووٹ لے لئے جائیں۔ اور وہ قومی غداری کرنے پر اس لئے تیار ہو جائیں۔ کہ ان کا راز فاش نہ ہوگا۔ لیکن ایسے ووٹوں سے چنا ہوا شخص ملک کا نمائندہ نہیں ہوگا۔ بلکہ ہوا و ہوس کا نمائندہ ہوگا۔

دوسری دلیل کا ردّ

۲۔ دُوسرا اعتراض یہ ہے۔ کہ اگر اکثریت کی نشستیں محفوظ کر دی جائیں۔ تو منافرت قومی دُور نہ ہوگی۔ کیونکہ اکثریت اقلیت کی محتاج نہیں رہیگی۔

اس کا ایک تو یہ جواب ہے۔ کہ اسی حالت کو ایک اور نگاہ سے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ اس طرح قوموں کا خوف چونکہ دور ہو جائیگا۔ اور ایک دوسرے سے حق تلفی کا خطرہ جاتا رہیگا۔ اس لئے تعلقات زیادہ درست ہو جائیں گے۔

دوسرا جواب اس کا یہ ہے۔ کہ ووٹوں کی محتاج قوم نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ افراد ہوتے ہیں۔ کسی جگہ کی ممبری کے لئے زید اور بکر جو دو شخص کھڑے ہونگے۔ ان کو اس بات سے کوئی اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔ کہ گورنمنٹ نے مسلمان کے لئے سیٹ محفوظ کر دی ہے۔ گورنمنٹ مسلمان کے لئے سیٹ محفوظ کرے گی۔ نہ کہ کسی شخص کے لئے۔ پس ہر امیدوار اپنی تائید کے لئے ایک ایک ووٹ کا محتاج ہوگا۔ اور لازماً اپنے حریف پر برتری حاصل کرنے کے لئے ہر اک ممبر کی مدد حاصل کرنے کی کوشش کریگا۔ پس یہ دعوے بھی بالکل باطل ہے۔ کہ محفوظ نشستوں کی وجہ سے اکثریت اقلیت کی محتاج نہ رہے گی۔ احتیاج امیدواروں کو ہوتی ہے۔ نہ کہ قوم کو۔ اور ان کی احتیاج ہر صورت میں قائم رہے گی۔ اور ان کی احتیاج کے ساتھ ان کے ہمدردوں کو بھی احتیاج ہوگی۔ اور اس طرح بالواسطہ طور پر ساری اکثریت ہی کسی نہ کسی امیدوار کی کامیابی کی خاطر اقلیت کی محتاج ہو جائے گی۔ پس محفوظ نشستیں منافرت قومی کے دور کرنے کے راستہ میں ہرگز روک نہیں ہیں۔

تیسری دلیل کا ردّ

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر محفوظ نشستیں کر دی جائیں۔ تو رسپانسیبل گورنمنٹ کا اصول باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ہم منتخب کرنے والی جماعتوں کو مجبور کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنا نمائندہ فلاں دائرہ سے چنیں۔ اور اس کے باہر نہ جائیں۔ تو گویا اکثریت بوجہ ایک قانونی حد بندی کے حکومت کرتی ہے۔ نہ کہ آزاد انتخاب کی وجہ سے۔ اور اگر یہ بات حاصل ہوئی۔ تو نیابتی حکومت کی اصل غرض ہی فوت ہو گئی۔

میرے نزدیک یہ سوال سیاسی طور پر بہت اہم ہے۔ اگر نتیجہ وہی پیدا ہوتا ہو۔ جو کمیشن نے نکالا ہے۔ تو یقیناً یہ بحث یہیں ختم ہو جاتی ہے۔ مگر میرے نزدیک نتیجہ نکالنے میں کمیشن نے غلطی کی ہے۔ کیونکہ اول تو یہی سوال ہے۔ کہ کیا جس خیال کی نمائندگی ایک ہندو کر سکتا تھا۔ اسی خیال کی نمائندگی کرنے والا کوئی مسلمان نہیں مل سکتا۔ اگر نہیں۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ہیئت انتخابی اس خیال کے مخالف ہے۔ اور اگر انتخاب کرنے والے ایک خیال کے مخالف ہیں۔ تو ہندو کے کھڑا ہونے سے نیابت زیادہ کس طرح ہو جائے گی۔ جب تک کہ ناجائز وسائل استعمال نہ کئے گئے ہوں۔ اور ناجائز وسائل بہرحال ناجائز ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ اس میں کیا شک ہے۔ کہ مختلف ضرورتوں کے لحاظ سے انتخاب کرنے والوں کے حق کو محدود کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً خود نہرو کمیٹی نے بعض صوبوں میں مسلمان اقلیتوں اور بعض میں ہندو اقلیتوں کے حق میں حقوق محفوظ کر کے اکثریت کے انتخاب کے حق کو محدود کر دیا ہے۔

اسی طرح مثلاً ممبروں کے لئے عمر کی نہرو کمیٹی نے شرط لگائی ہے۔ کہ اکیس سالہ آدمی ووٹ دے سکتا ہے۔ اور چونکہ کوئی اور قید موجود نہیں معلوم ہوا۔ کہ اسی عمر کا آدمی ممبر منتخب ہو سکے گا۔ یہ بھی ایک قید ہے۔ اکیس سال سے پہلے بھی کئی لوگ صاحب عقل و فہم ہو جاتے ہیں۔ پھر انتخاب کرنے والوں کے لئے یہ قید کیوں لگائی گئی ہے۔

اسی طرح گو مجھے سکیم میں نظر نہیں آیا۔ لیکن جیسا کہ دوسرے ملکوں میں ہوتا ہے۔ ہندوستانی قومیت کی بھی ممبر کے لئے شرط ہوگی۔ کیونکہ سب مہذب ملکوں میں یہ قید موجود ہے۔ لیکن کیا یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ ایک ایسا خیر خواہ شخص انتخاب کرنے والوں کو مل جائے۔ جو باوجود غیر ہندوستانی ہونے کے ہندوستانیوں کا خیر خواہ ہو۔ یا وہ ہندوستانی بننا تو چاہتا ہو۔ لیکن قواعد اس کے ہندوستانی بننے میں کچھ عرصہ کے لئے روک ہوں۔

غرض انتخاب کے دائرہ کو اب بھی نہرو کمیٹی نے محدود کیا ہے اور قانون اساسی کے مکمل ہونے پر اور بھی یہ دائرہ محدود کرنا پڑیگا پس معلوم ہوا۔ کہ حد بندی کر دینا نیابتی گورنمنٹ کے اصول کے مخالف نہیں۔ بلکہ ناجائز حد بندی کرنا اصول نیابت کے خلاف ہے۔ اور جبکہ ایک صوبہ کی اکثریت ایک حق کا مطالبہ کرتی ہے۔ اور مطالبہ بھی وہ جس میں دوسرے کے حق کو تلف نہیں کیا جاتا۔ تو ایسی حد بندی کو ناجائز کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ اور جب وہ ناجائز نہیں۔ تو وہ نیابت کے قانون کو تلف کرنے والی بھی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ جو کچھ اس طریق انتخاب کے متعلق کہا جا سکتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ بجائے اس کے کہ ملک کے سب حصے ملکر اپنے نمائندے منتخب کریں۔ ملک کے مختلف حصے اپنے اپنے حلقوں میں انتخاب کرینگے۔ پس نمائندگی موجود ہے صرف اس کی شکل بدلی ہے۔ اور شکلوں کے لحاظ سے تو دنیا کی تمام مہذب حکومتوں کے انتخاب کے طریق کا آپس میں اختلاف ہے۔

چوتھی دلیل کا رد

اب رہی چوتھی اور آخری دلیل اور شائد محفوظ نشستوں کے مخالفین کے نزدیک سب سے زبردست دلیل لیکن ہر اک عقلمند محسوس کریگا کہ یہ دلیل نہیں ہے۔ بلکہ احساسات سے ملاعبہ ہے اور مجھے حیرت ہوتی ہے۔ کہ اس ملاعبہ میں نہرو رپورٹ کے مصنف بھی خوب دل کھول کر شامل ہوئے ہیں۔ اور یہ نہیں خیال کیا۔ کہ ان کی یہ ترغیب اس کے بالکل الٹ نتیجہ پیدا کرے گی۔ جو انہوں نے پیدا کرنا چاہا ہے۔

یہ دلیل جیسا کہ میں لکھ آیا ہوں۔ یہ ہے کہ محفوظ نشستوں سے تو مسلمانوں کو صرف آبادی کے مطابق حق ملیں گے۔ لیکن اگر محفوظ نشستیں نہ ہوں۔ تو انہیں اور بھی زیادہ حق مل جائیں گے پس انہیں اس پر ناراض نہیں ہونا چاہئیے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ مسلمانوں کی آبادی پنجاب اور بنگال میں اس طرح تقسیم ہے کہ مخلوط انتخاب کا فائدہ مسلمانوں کو پہنچتا ہے۔ نہرو کمیٹی اس نظریہ پر اس قدر خوش ہے۔ کہ اس نے بار بار مسلمانوں کو اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔ وہ صفحہ ۴۸ پر لکھتے ہیں:۔

"ہمیں معلوم ہو چکا ہے۔ کہ (باوجود محفوظ نشستوں کے نہ ہونے کے) اس خوفیت نے بنگال کے ہندوؤں کو ڈسٹرکٹ بورڈوں کے انتخاب میں کوئی نفع نہیں دیا۔ اور ہمیں یقین ہے۔ کہ کونسلوں کے انتخاب کا نتیجہ اس سے بھی زیادہ مسلمانوں کے حق میں ہوگا"

پھر لکھتے ہیں:۔

"مگر ہم وسیع نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہوئے ہم اس امر کا یقین کر سکتے ہیں۔ کہ مسلمان اکثریت کے لئے پنجاب اور بنگال میں نشستوں کا محفوظ کرنا نشستوں کے محفوظ نہ کرنے کی نسبت عملی طور پر ہندوؤں کو اور غالب سکھوں کو بھی نفع پہنچا سکتا ہے۔ وہ اعداد اور واقعات جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ ظاہر کرتے ہیں کہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی حالت ایسی مضبوط ہے۔ کہ وہ ایسے مخلوط انتخاب میں جس کے ساتھ نشستیں محفوظ نہ ہوں۔ اپنی آبادی کی نسبت سے زیادہ ممبریاں حاصل کر لیں گے۔ اور اس طرح بالکل ممکن ہے کہ ہندو اور سکھ اپنی آبادی کی نسبت سے بھی کم نیابت حاصل کریں۔ یہ ایک ایسا نظریہ نہیں۔ جو صرف ممکن ہے بلکہ غالباً ایسا ہی ہوگا۔ لیکن ایسے وقوعہ کو کسی طرح رد کیا نہیں جا سکتا" صفحہ ۴۹

اسی طرح بنگال کی نسبت لکھا ہے:۔

"ہندو اقلیت گو بہت بڑی اقلیت ہے۔ بہت ہی غالب گمان ہے کہ اعداد کے لحاظ سے ایک بے قید انتخاب میں زیادہ نقصان اٹھائیگی۔ بہ نسبت اس انتخاب کے کہ جس میں محفوظ نشستوں کی قید لگی ہوئی ہو" صفحہ ۴۸

ان حوالوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نہرو رپورٹ اس امر پر خاص زور دینا چاہتی ہے۔ کہ محفوظ نشستوں کے بغیر مسلمان بنگال اور پنجاب میں خاص طور پر غالب رہیں گے **اور ایک ایسی رپورٹ کا جسے ہندوؤں نے تیار کیا ہے۔ اس قدر زور مسلمانوں کو زائد حقوق کے ملنے پر دینا خواہ مخواہ ہی شک میں ڈالتا ہے۔**

اور خصوصاً جبکہ وہی رپورٹ صفحہ اکاون پر یہ تسلیم کرتی ہے کہ محفوظ نشستوں کے بغیر پنجاب اور بنگال کے مرکزی پارلیمنٹ کے لئے بجائے اپنی تعداد کے مطابق بہتر ممبر نامزد کر سکنے کے صرف تیس سے چالیس تک ممبریاں نامزد کر سکیں گے تو اس یقین اور غالب امید کا بھانڈا اس طرح پھوٹ جاتا ہے۔ کہ کوئی پردہ اسے چھپا نہیں سکتا۔

میں یہاں مختصر لفظوں میں اس امر کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اوپر کے حوالہ جات سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ نہرو کمیٹی کے نزدیک مخلوط انتخاب کے باوجود ملک میں انتخابات کی جنگ صرف فرقہ وارانہ اصول پر لڑی جائے گی۔ کیونکہ اگر اس اصل کے جاری ہو جانے کے بعد ان کے نزدیک قومی خیالات میں اصلاح ہو سکتی تو کس دلیل پر مسلمانوں کو پنجاب اور بنگال میں اکثریت حاصل ہو سکتی تھی

آبادی کی تقسیم کا انتخاب پر اثر

اب میں یہ بتاتا ہوں کہ آبادی کی تقسیم کا انتخاب پر کوئی خاص اثر نہیں پڑیگا۔ یاد رکھنا چاہئیے۔ کہ نہرو کمیٹی نے تین حلقے پنجاب کے بتائے ہیں۔ ایک حلقہ وہ جس میں مسلمان زیادہ ہیں۔ ایک وہ جس میں ہندو مسلمانوں کا پلڑہ بھاری ہے۔ اور ایک وہ جسمیں ہندوؤں کا پلڑہ بھاری ہے۔ اور اس سے ثابت کیا ہے۔ کہ چونکہ وہ علاقہ جس میں ہندوؤں کا پلڑہ بھاری ہے۔ تھوڑا ہے۔ اس لئے مسلمان بہرحال ہندوؤں سکھوں سے فائدہ میں رہیں گے۔ اور یہی حال بنگال کا ہے میرے نزدیک یہ ایک مغالطہ ہے۔ نہرو کمیٹی نے فرض کر لیا ہے کہ انتخاب کا حلقہ ضلع ہوگا۔ حالانکہ انتخاب کا حلقہ ضلع نہیں ہوگا۔ بلکہ اس سے بہت چھوٹا علاقہ ہوگا۔ نہرو کمیٹی نے ہر اک لاکھ آدمی کو ایک ممبر منتخب کرنے کا حق دیا ہے۔ پنجاب کی آبادی دو کروڑ چھ لاکھ پچاس ہزار ہے۔ اور اضلاع اٹھائیس ہیں پس اوسطاً ہر ضلع کے حصہ میں ساڑھے سات ممبر آئیں گے۔ اور اس تقسیم میں یقیناً بعض حلقے ایسے ہوں گے۔ جہاں ہندو آبادی یا سکھ آبادی ایسی حقیر نہ ہوگی۔ جیسی کہ سب ضلع کی آبادی کے مقابلہ میں وہ نظر آتی ہے۔ اور یہ بات اس قاعدہ کو زیر نظر رکھنے سے اور بھی زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ جو قوم کسی علاقہ میں کم ہو۔ اور اس کا دوسری اقوام سے اختلاف ہو۔ وہ بجائے دیہات میں بسنے کے شہروں میں رہتی ہے ہندو بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ اور ان تمام علاقوں میں جہاں مسلمان زیادہ ہیں۔ جا کر دیکھ لو کہ ہندو ان علاقوں میں گاؤں میں نہیں بلکہ قصبوں میں بستے ہیں۔ اور اکٹھے رہتے ہیں۔ اور پھر ان میں سے جو گاؤں میں جا کر کام کرتے ہیں۔ وہ بھی اپنی جائداد شہر میں خرید لیتے ہیں۔ اور اپنا تعلق قصبات سے نہیں توڑتے۔ چنانچہ اس کا واضح ثبوت یہ ہے۔ کہ پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی پچپن فیصدی اور سکھوں اور ہندوؤں کی کل آبادی تینتالیس ۴۳ فی صدی ہے لیکن شہروں کی نیابت میں آٹھ ممبر ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے منتخب ہوتے ہیں اور چھ مسلمانوں کی طرف سے۔ یعنی شہری آبادی کی نیابت کے لحاظ سے سکھ ہندو ستاون ۵۷ فی صدی ہیں۔ اور مسلمان تینتالیس فی صدی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ ہر بالغ مرد کو ووٹ کا حق ملنے پر یہ نسبت نہ رہیگی۔ اور ہندوؤں اور سکھوں کی نسبت کم ہو جائے گی۔ اور مسلمانوں کی ترقی کریگی۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں۔ کہ اس نسبت سے ظاہر ہے۔ کہ ہندو اور سکھ شہروں میں زیادہ بستے ہیں۔ اور اسلامی کثرت والے علاقوں میں یہ بات اور زیادہ نمایاں ہوگی۔ خصوصاً جب ہر بالغ کو ووٹ کا حق ملا تو ان علاقوں میں ہر ہندو اپنا ووٹ کا حق شہر میں رکھیگا۔ اور اس طرح اپنا حق ان علاقوں میں بھی وصول کرتے رہیگا جن میں اس کی اقلیت ہے۔ **پس نہرو کمیٹی کا نقشہ محض دکھاوے کا ہے۔ اور اس کی کوئی بھی حقیقت نہیں** ہے۔ اور یقیناً وہ زبردست فیکٹر جسے نہرو کمیٹی نے بھی تسلیم کیا ہے۔ یعنی ہندوؤں اور سکھوں کی تعلیمی اور مالی برتری وہ عمل کئے بغیر نہیں رہیگا۔

پنجاب اور بنگال کے ڈسٹرکٹ بورڈوں کے انتخاب

اب ایک ہی سوال رہ جاتا ہے۔ اور وہ بنگال اور پنجاب کے ڈسٹرکٹ بورڈوں کے انتخاب میں کہا جاتا ہے کہ ان انتخابوں میں مسلمانوں نے اپنے حق سے زیادہ حاصل کیا تھا۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ مسلمان باوجود کمزوری کے اپنی تعداد کی زیادتی کی وجہ سے اپنے حق سے زیادہ لینے پر قادر ہیں۔ اور جب ہم یہ اندازہ کر لیں کہ وہ آئندہ منظم بھی ہو جائیں گے۔ تو اس وقت تو یقیناً وہ ایک بہت بڑا غلبہ حاصل کر لیں گے۔

بنگال کے ڈسٹرکٹ بورڈوں کا انتخاب

چونکہ یہ حصہ مضمون کا بہت لمبا ہو چکا ہے۔ میں بنگال اور پنجاب کو ملا کر ہی اس سوال پر روشنی ڈالتا ہوں۔ اور پہلے بنگال کو لیتا ہوں۔ بنگال کے ڈسٹرکٹ بورڈوں کے الیکشنوں کا خود نہرو کمیٹی نے ذکر کیا ہے۔ اور اس کی تفصیل بیان کر کے یہ بتانا چاہا ہے۔ کہ بعض ضلعوں میں مسلمانوں نے اپنے حق سے زیادہ لے لیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ کل صوبہ کے لحاظ سے مسلمانوں نے کیا حاصل کیا ہے۔ سو جب ہم ضلعوں کی نشستوں کی میزان لگاتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ سب بنگال کے ڈسٹرکٹ بورڈوں کی ممبریوں کی تعداد چار سو اٹھاون ۴۵۸ ہے۔ اس میں سے مسلمانوں کو بحساب آبادی دو سو سینتالیس ۲۴۷ ملنی چاہئے تھی۔ اور ہندوؤں کو دو سو گیارہ ۲۱۱ لیکن نتیجہ یہ نکلا ہے۔ کہ ہندوؤں نے دو سو انچاس ۲۴۹ نشستیں حاصل کی ہیں۔ اور مسلمانوں نے دو سو نو ۲۰۹ گویا مسلمان جو چھپن فی صدی ہیں۔ انہیں پینتالیس فیصدی نشستیں ملی ہیں۔ اور ہندو جو چھیالیس فی صدی تھے انہیں پچپن فی صدی نشستیں ملی ہیں۔ یہ امید ہے جو نہرو کمیٹی ہمیں دلاتی ہے۔